سرپرست

مولانا وحید الدین خاں

محرومی اُس وقت محرومی ہے جب کہ وہ آدمی کے اندر تلخی اور مایوسی پیدا کرے۔ مگر محرومی اس وقت ترقی کا زینہ بن جاتی ہے جب کہ وہ آدمی کی دبی ہوئی قوتوں کو جگانے والی ثابت ہو ——

شمارہ ۱۵   زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے   قیمت فی پرچہ

خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے

فروری ۱۹۷۸   بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی   دو روپے

سرکس ہو رہا تھا۔ تماشائیوں کو طرح طرح کے کھیل دکھائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک "انسان" لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ اس نے عجیب عجیب تماشے دکھا کر لوگوں کو خوش کرنا شروع کر دیا۔ ابھی کھیل ختم نہیں ہوا تھا کہ تماشائیوں میں سے ایک شخص نے اس "انسان" کی طرف ایک کنکر پھینک دیا۔ اس کے بعد "انسان" نے ایک زوردار چھلانگ لگائی۔ وہ شاید اپنے حملہ آور تک پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر وہ چاروں طرف لگے ہوئے مائک سے ٹکرا گیا۔ اس کے ٹکراتے ہی اس کے چہرے کا مکھوٹا (MASK) گر گیا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حقیقۃً ایک جانور تھا جو انسانی بھیس بدلے ہوئے تماشا دکھا رہا تھا۔

سرکس کے اسٹیج پر یہ واقعہ شاید ایک ہی بار پیش آیا ہو۔ مگر انسانی بستیوں میں ایسے واقعات ہر روز سامنے آ رہے ہیں۔ لوگ بظاہر انسان جیسے چہروں کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی بات ان کو غصہ دلانے والی پیش آجائے تو اچانک وہ اپنا انسانی لبادہ اتار پھینکتے ہیں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل حیوان تھے۔ البتہ انھوں نے اوپر سے انسانی مکھوٹا پہن رکھا تھا۔ خلاف مزاج بات پیش آتے ہی وہ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے۔

لاشعور (آدمی کی اصل ہستی) کو سمجھنے کا بہترین نفسیاتی وقت وہ ہوتا ہے جب کہ وہ ذہنی اختلال میں مبتلا ہو۔ اسی طرح شکایت اور اختلاف کا وقت آدمی کے دین و اخلاق کا امتحان ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آدمی ٹھیک اسی وقت ناکام ہو جاتا ہے جب کہ اس کو سب سے زیادہ کامیابی کا ثبوت دینا چاہئے۔

فہرست

یہاں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔
براہ کرم اپنا سالانہ زر تعاون روانہ فرمائیں۔ تاکہ الرسالہ آپ کے نام جاری رکھا جا سکے۔

ماہنامہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ

دہلی ۱۱۰۰۰۶

قال اللہ ، قال الرسول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہو وہ اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے نیاز ہے ۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ، اس کا کوئی ہمسر نہیں
(قرآن ، سورہ اخلاص)

اللہ ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ زندہ ہے ، سب کو تھامے ہوئے ہے ۔ اس کو نہ اونگھ لگتی اور نہ نیند آتی ۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے ، اسی کا ہے ۔ کون ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ۔ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے ، سب کا اسے علم ہے ۔ اس کے علم کے کسی گوشہ پر بھی کوئی شخص حاوی نہیں ہو سکتا ، مگر جو وہ چاہے ۔ اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے ۔ ان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ۔ وہی سب سے اوپر ہے ، سب سے بڑا ۔
(بقرہ ۲۵۵)

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا برابر ٹھہراتے ہیں ۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا چاہیئے ۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں ۔ کاش یہ ظالم اس بات کو جان لیتے جس کو وہ عذاب دیکھ کر جانیں گے کہ ساری طاقت اللہ ہی کے پاس ہے اور یہ کہ اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے ۔ جب کہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ، ان لوگوں سے الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے ۔ اس وقت وہ عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات بالکل ٹوٹ جائیں گے ۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے ، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو ہم بھی ان سے الگ ہو جاتے جس طرح وہ ہم سے الگ ہو رہے ہیں ۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال کو سامان حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ آگ سے کبھی نہ نکل پائیں گے ۔ (بقرہ ۶۷ - ۱۶۵)

یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے ۔ اس کے سوا اور گناہوں کو معاف کر دے گا جسے وہ معاف کرنا چاہے ۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا (نساء ۱۱۶)

لوگو ! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو اور تم سے قبل والوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچ جاؤ ۔ وہی ہے جس نے تمھارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنا دیا ۔ اوپر سے پانی برسایا ، پھر تمھاری غذا کے لئے ہر طرح کی پیداوار نکالی ۔ سو تم کسی کو اللہ کا برابر نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو ۔ (بقرہ - ۲۲ - ۲۱)

اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف

کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تم کو بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ اور یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (نساء ۵۸)

ایمان والے وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے رب کے پاس ان کا بڑا مرتبہ ہے، قصوروں سے درگزر ہے، اور بہترین روزی ہے۔ (انفال ۴-۲)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے پورب کی طرف کر لئے یا پچھم کی طرف۔ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو، آخرت کے دن کو، فرشتوں کو، آسمانی کتابوں کو اور پیغمبروں کو مانے۔ اللہ کی محبت میں اپنا مال دے رشتہ داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو، مسافروں کو، سوال کرنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ اور نیک لوگ وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں، اور تنگی و مصیبت میں اور مقابلہ کے وقت صبر کریں۔ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (بقرہ ۱۷۷)

وہ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ بول اٹھتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ ہم کیوں نہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے جب کہ ہم اس بات کی حرص رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو صالح لوگوں میں شامل کرے۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ ان کو ایسے باغ دے گا جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا۔ (مائدہ ۸۵-۸۳)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں رکھتے اور نہ ستاتے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ایک معقول بات اور درگزر ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو۔ اللہ بے نیاز اور تحمل والا ہے۔ اے ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور جو نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (بقرہ ۶۴-۲۶۲)

اے ایمان والو سود کئی کئی حصہ بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو اور اس آگ سے ڈرو جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور رسول کا حکم مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت سارے آسمان اور زمین ہیں اور جو خدا سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو فراغت اور تنگی دونوں میں خرچ کرتے ہیں، جو غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کوئی برا کام ہو جاتا ہے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ انھیں یاد آجاتا ہے، اور وہ اپنے گناہوں سے معافی مانگنے لگتے ہیں۔ اور کون معاف کر سکتا ہے

گناہوں کو بجز اللہ کے۔ اور یہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے درآں حالیکہ وہ جان رہے ہوں۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انھیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لئے۔ (آل عمران ۱۳۶ - ۱۳۰)

تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہو۔ نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ادب کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے شفقت اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو، اور اس طرح دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسے انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو تمھارے جی میں ہے۔ اگر تم نیک بن کر رہو تو وہ رجوع کرنے والوں کی غلطی کو معاف کر دیتا ہے۔ رشتہ داروں کو ان کا حق دو، اور محتاج کو، اور مسافر کو۔ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی تم کو امید ہو، اگر اس کے انتظار میں تم کو ان سے پہلوتہی کرنا پڑے تو ان کو نرم جواب دے دو۔ نہ تو ایسا ہو کہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ تم بالآخر ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے۔ اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو۔ ہم ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ یقیناً ان کو مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بدکاری کے پاس نہ جاؤ، وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔ قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور جو ظلم سے قتل کیا گیا ہو تو اس کے وارث کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق دیا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں۔ عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں پوچھ ہونے والی ہے۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور تولو تو صحیح ترازو سے تول کر دو۔ یہ بہتر طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہ ہو، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب کی بابت ہر ایک سے پوچھ ہوگی۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ سارے برے کام تیرے رب کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تم پر وحی کے ذریعے سے بھیجی ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا ورنہ تم جہنم میں پھینک دیئے جاؤ گے، ملامت زدہ اور راندہ ہو کر۔ (بنی اسرائیل ۳۹ - ۲۳)

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے تھک تھک کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے، اس لئے ہم نے نصیحت کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر کر۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اگر والدین تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک مانے جس کو تو نہیں جانتا

تو ان کا کہنا نہ مان ۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ ، مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے ۔ تم سب کو میرے پاس آنا ہے ۔ اس وقت میں بتا دوں گا جو کچھ تم کر رہے تھے ۔ اور لقمان نے کہا ۔ اے بیٹے ! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی پتھر کے اندر یا آسمان یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو، اللہ اس کو نکال لائے گا ، بیشک اللہ بڑا باریک بیں اور باخبر ہے ۔ اے بیٹے ! نماز کی پابندی کر، بھلی بات لوگوں کو سکھا، اور برے کاموں سے منع کر ۔ اور جو کچھ تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بلا شبہ یہ ہمت کے کام ہیں ۔ لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر، زمین میں اکڑ کر نہ چل ، بیشک اللہ خود پسند اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا ۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر، اپنی آواز کو نرم رکھ، سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے ۔ (لقمان ۱۹ ـ ۱۳)

یقیناً کامیاب ہو گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں زاری کرنے والے ہیں ۔ جو بے فائدہ باتوں سے دور رہتے ہیں ۔ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوا اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر انھیں کوئی الزام نہیں ۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں، جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں، جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ (مومنون ۱۱ ـ ۱)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب بے سمجھ لوگ ان سے بے سمجھی کی بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام ۔ جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے ہٹا دے ، اس کا عذاب تو لازم ہو جانے والا ہے ۔ وہ برا ٹھکانا ہے اور بری جگہ ہے رہنے کی ۔ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی، ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر رہتا ہے ۔ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو نہیں مار ڈالتے مگر حق پر ۔ وہ بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی ایسا کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا ۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا ، اور وہ ہمیشہ اس میں رسوا ہو کر رہے گا الا یہ کہ کوئی توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا ۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے ، وہ اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں ۔ اور وہ ایسے ہیں کہ جب خدا کی باتوں سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اندھے بہرے ہو کر اس پر نہیں گرتے ، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک دے اور کر دے ہم کو پرہیزگاروں کے آگے ۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل بالاخانوں کی شکل میں پائیں گے ۔ وہاں سلام و دعا کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا ۔ وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے ۔ وہ کیسا اچھا ٹھکانہ ہے اور کیسی خوب جگہ رہنے کی ۔ (فرقان ۷۶ ـ ۶۳)

اے ایمان والو ، نہ مرد دوسرے مرد کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں ۔ اور نہ عورتیں دوسری

عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے، جو لوگ ان چیزوں سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو، تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ اس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ (حجرات ۱۲-۱۱)

جس نے نیک کام کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان والا ہو، اس کو ہم اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور بدلے میں ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجر دیں گے۔ (۹۷) اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور جو نیک عمل کرتے ہیں۔ (نحل ۱۲۸)

جو شخص میری نصیحت سے منھ پھیرے گا، اس کے لئے ہے تنگ زندگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب کیوں تو نے مجھ کو اندھا اٹھایا، دنیا میں تو میں آنکھ والا تھا۔ اللہ فرمائے گا، ہاں، اسی طرح پہنچی تھیں تمھارے پاس ہماری نشانیاں، پھر تم نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح آج تم کو بھلایا جارہا ہے اس طرح ہم حد سے گزرنے والے اور اپنے رب کی نشانیاں نہ ماننے والے کو بدلا دیتے ہیں، اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ ۱۲۷-۱۲۴)

آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے خاص کردیں گے جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور عاقبت متقیوں ہی کے لئے ہے۔ جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا، اس کے لئے اس سے بہتر بھلائی ہے۔ اور جو برائی لے کر آئے تو برائیاں کرنے والے وہی سزا پائیں گے جو وہ کرتے تھے۔ (قصص ۸۴-۸۳)

جس شخص نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو بری خواہشات سے روکا، اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ (نازعات ۴۱-۳۸)

جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا، وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ شخص آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔ (آل عمران ۸۵)

کلام نبوت

عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (رواہ البخاری)

ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگلے کلام نبوت سے جو باتیں لوگوں نے پائیں ان میں سے یہ ہے: جب تم کو شرم نہ آئے تو جو جی چاہے کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه

اللہ تمھارے مالوں اور تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللّٰهَ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم" رواہ مسلم

بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ متفق علیه

بہادر وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے۔ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے

عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "دَعْ مَا یَرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُكَ؛ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِیْنَةٌ وَالْكَذِبَ رِیْبَةٌ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

جس بات میں شک نظر آئے اس کو چھوڑ دو، اور جس میں شک نہ ہو اس کو اختیار کرلو۔ کیوں کہ سچ، اطمینان ہے۔ اور جھوٹ، شک ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا كُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

تم جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرو۔ برائی کے بعد نیکی کرو، وہ برائی کو مٹادے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عنه عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ!" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو دبائے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشوں کے پیچھے ڈال دے اور اللہ پر امیدیں باندھے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسلم: "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا یَعْنِیْهِ" رواہ التِّرْمِذِیُّ وَغَیْرُهُ

آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

قیامت کے دن حق والوں کو حق دلائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے حق دلایا جائے گا۔

عن جریر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من لا یرحم الناس لا یرحمه اللّٰہ" متفق علیه

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عنہما عن النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ، وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ، متفق علیہ

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اس کام کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

عن انسٍ رَضِیَ اللّٰہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ" متفق علیہ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

عن ابنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہ وسلّم قَالَ: "کُلُّکُمْ رَاعٍ، وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" متفق علیہ

تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور ہر شخص سے اس کے گلہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

عن اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلَّی اللّٰہ عَلَیْہ وسلّم قَالَ: "وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ!" قِیْلَ: مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ؟ قَالَ: "اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ"، متفق علیہ

خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔

عن اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم: "اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَکُمْ فَھُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ"، متفق علیہ

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو۔ اس کو نہ دیکھو جو درجہ میں تم سے اوپر ہے۔ اس طرح تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔

عَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ سھلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰہُ وَاَحَبَّنِیَ النَّاسُ، فَقَالَ: "اِزْھَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّکَ اللّٰہُ، وَازْھَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبَّکَ النَّاسُ"، رواہ ابن ماجہ وغیرہ

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، اے خدا کے رسول مجھے ایسا عمل بتایئے، جب میں اس کو اختیار کر لوں تو اللہ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا، دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے، اس سے بے رغبت ہو جاؤ، لوگ تم سے محبت کریں گے۔

عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلّم: "مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ

دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دئے جائیں تو وہ گلے کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا کسی آدمی

بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

کے دین کے لئے مال اور عزت کی حرص پہنچاتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ" رواہ مسلم

کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اسلام اختیار کیا، اس کو بقدر ضرورت رزق ملا، اور اللہ نے جو کچھ اس کو عطا فرمایا، اس پر اس کو قانع بنا دیا۔

لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ اَسَاءُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ، اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا۔ (مشکوٰۃ باب الظلم)

یہ مت کہو کہ لوگ اچھا سلوک کریں تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے، اگر لوگوں نے بدسلوکی کی تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کرو۔ اگر لوگ براسلوک کریں تو تم ظالم نہ ہو۔

البر حسن الخلق۔ والاثم ما حاك في صدرك وكرهت ان يطلع عليه الناس

نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔ گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے، اور تم کو ناپسند ہو کہ لوگ اس سے باخبر ہو جائیں۔

عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ الصَّحَابِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم: "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

بندہ اس وقت تک تقویٰ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کا حال یہ نہ ہو جائے کہ گناہ کے اندیشے سے ایسی چیز کو چھوڑ دے جس میں بظاہر گناہ نہیں ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ: اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ "يَتَّقِي اللّٰهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ایک شخص نے پوچھا، اے خدا کے رسول، لوگوں میں بہتر کون ہے، آپ نے فرمایا، جو اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال کے ساتھ جدوجہد کرے، پوچھا پھر کون، فرمایا جو اللہ سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ!" قِيْلَ: وما الكبر۔ قال الكبر بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ" رواہ مسلم

جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی گھمنڈ ہو۔ پوچھا گیا، گھمنڈ کیا ہے فرمایا، حق بات نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

عن اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ بات کہے تو بھلی بات کہے ورنہ چپ رہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟" قَالُوْا: اَللّٰهُ

آپ نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ "ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ"، قِيْلَ: اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: "اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ"، رَوَاهُ مُسْلِم۔

آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے حق میں ایسی بات کہو جو اس کو ناپسند ہو، کہا گیا، اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو؟ آپ نے فرمایا۔ جو بات تم نے کہی اگر وہ بات تمھارے بھائی میں ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اگر تم نے ایسی بات کہی جو اس کے اندر نہیں ہے تو تم نے بہتان باندھا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهٗ وَعِرْضُهٗ وَمَالُهٗ" رواه مُسلم

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں: اس کا خون، اس کی عزت اور اس کا مال۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسلم قَالَ: "اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

چار باتیں کسی میں ہوں تو وہ پکا منافق ہے۔ امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے، بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پھر جائے۔ بحث کرے تو جھگڑنے لگے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ "لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ"، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

مومن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، فحش بولنے والا اور زبان دراز نہیں ہوتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَیُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَاْتِهٖ مَنِیَّتُهٗ وَهُوَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، وَلْیَاْتِ اِلَی النَّاسِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی اِلَیْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

جس کو یہ پسند ہو کہ وہ آگ سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عنه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِیَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فان الحسد یَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" رواه ابوداود

تم لوگ حسد سے بچو۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

عَنْ عِیَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَبْغِیَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ، وَلَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ" رواه مسلم

اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو، کوئی کسی کے اوپر زیادتی نہ کرے۔ اور کوئی دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔

ثلاث من كن فيه يسّر الله حتفه وادخله جنته: رفقٌ بالضعيف، وشفقةٌ على الوالدين واحسانٌ الى المملوك (ترمذی)

تین باتیں جس میں ہوں اللہ اس کی موت کو آسان بنا دیتا ہے اور اس کو اپنی جنت میں داخل کرتا ہے۔ کمزوروں سے نرمی، ماں باپ سے محبت، خادموں سے اچھا سلوک۔

ایاکم والظنّ فان الظنّ اکذب الحدیث (مشکوٰۃ)

گمان سے بچو۔ کیونکہ گمان بہت بڑا جھوٹ ہے۔

کفی بالمرء کذباً ان یُحدّث بکل ما سمع (متفق علیہ)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو دہرانے لگے۔

مثل المومن ومثل الایمان کمثل الفرس فی اٰخیّتہٖ یجول ثم یرجع الی اخیتہ (بیہقی)

مومن اور ایمان کی مثال گھوڑے کی ہے جو کھونٹے سے بندھا ہو۔ وہ گھومتا ہے پھر اپنے کھونٹے کی طرف لوٹ آتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مِنْ اَخْلَاقِ الْاِيْمَانِ مَنْ اِذَا غَضِبَ لَمْ يُدْخِلْهُ غَضَبُهٗ فِيْ بَاطِلٍ، وَمَنْ اِذَا رَضِيَ لَمْ يُخْرِجْهُ رِضَاهُ مِنْ حَقٍّ وَمَنْ اِذَا قَدَرَ لَمْ يَتَعَاطَ مَا لَيْسَ لَهٗ

(المعجم الصغیر للطبرانی۔ ص ۳۱)

تین باتیں ایمانی اخلاق میں سے ہیں۔ جب غصہ آئے تو آدمی کا غصہ اس کو باطل میں نہ داخل کر دے۔ جب وہ خوش ہو تو اس کی خوشی اس کو حق سے باہر نہ کر دے۔ جب وہ کسی کے اوپر قدرت پائے تو وہ چیز نہ لے جس پر اس کا حق نہیں ہے۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔ (رواه ابوداود۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان صٹ)

جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے محبت کی۔ نفرت کی تو اللہ کے لئے نفرت کی۔ دیا تو اللہ کے لئے دیا اور روکا تو اللہ کے لئے روکا، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَظْلِمُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَاٰى اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اپنے بھائی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ وہ اس سے جھوٹ نہیں کہتا، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو اس کو دور کر دے

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ)

جس نے اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے اس کی غیر موجودگی میں مدافعت کی تو اللہ پر لازم ہے کہ اس کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے۔

"الاسلام" کے بعد ادارۂ الرسالہ کی دوسری کتابی پیش کش

ظہور اسلام

عنقریب شائع ہونے والی ہے

تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل یہ اہم کتاب
جدید اسلامی لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

قرآن پہلی کتاب ہے جس نے انسانی تاریخ میں دور نثر کا آغاز کیا۔ علمی طرز فکر کی بنیاد رکھی اور سائنٹفک استدلال کو رائج کیا۔ موجودہ دور کا علمی انقلاب، قرآن ہی کے پیدا کردہ انقلاب کا نتیجہ ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ قرآن کے حاملین اس انقلاب کو سمجھنے میں سب سے پیچھے ہیں ——— وہ ابھی تک شعر و شاعری کی فضا سے نکل نہ سکے۔ حتیٰ کہ ان کی نثر بھی خطابت اور شاعری کی ایک صورت ہوتی ہے۔ سائنٹفک استدلال میں ان کے پیچھے ہونے کا حال یہ ہے کہ ان کے علماء اب بھی سائنٹفک استدلال اور مغرب زدگی کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کی اس علمی پس ماندگی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ دور جدید کے معیار فکر پر ابھی تک اسلام کا علمی اظہار نہ ہو سکا۔ ہر دور کا ایک اسلوب اور ایک علمی معیار ہوتا ہے اور ہر دور کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دور کے فکری معیار پر خدا کے دین کا اعلان عام کریں۔ مگر مسلمان جب خود ہی فکری پس ماندگی میں مبتلا ہوں تو وہ اس ذمہ داری کو کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔

Wali Khan for end to 'Bhuttoism'

خان عبدالولی خاں ۳۴ ماہ جیل میں رہنے کے بعد اس شان سے باہر آئے ہیں کہ اچانک وہ پاکستان کی سیاسیات میں قومی توجہ کا مرکز بن گئے ہیں۔ پاکستان کے اکثر سیاسی مشاہدین کا خیال ہے کہ بھٹو کے سیاسی منظر سے ہٹنے کے بعد اب خان عبدالولی خاں واحد شخصیت ہیں جو قومی قیادت کا خلاء پر کر سکتے ہیں حکومت نے ان کو بھٹو کے مشہور ہوائی جہاز شاہین (FALCON) پر سفر کرنے کا موقع دیا ہے، وہ پورے ملک کا دورہ کر رہے ہیں انھوں نے انکشاف کیا ہے کہ میں نے اس جہاز میں سفر کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ اس کے غسل خانہ کے ٹیپ گولڈ پلیٹیڈ (سنہرے) ہیں۔

خان عبدالولی خاں کو میدان سیاست میں لانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ "بھٹوازم" کو ختم کیا جائے۔ خان ولی خاں کا ایک انٹرویو حال میں سرکاری اخبار پاکستان ٹائمس میں چھپا ہے، وہ کہتے ہیں "مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ میری موجودہ پوزیشن کو مسٹر بھٹو کی ۱۹۷۰ کی پوزیشن کے مانند قرار دے رہے ہیں۔ مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ بھٹو نے اقتدار کی کرسی پر پہنچنے کے لئے یحییٰ حکومت سے سازش کی تھی۔ جب کہ ہم ملک کو بچانے کے لیے موجودہ فوجی حکومت سے تعاون کر رہے ہیں۔ ہم اقتدار نہیں چاہتے۔ ہم کو عہدے اور کرسی کا شوق نہیں ہے۔ یہ ہمارا راستہ نہیں ہے۔ پہلے بھٹو کا پیدا کردہ فاشزم ختم ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد الکشن ہونا چاہئے۔

تاہم اس کو واضح طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ بھٹو نے مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں جو خرابیاں پیدا کیں وہ ایک علیحدہ چیز ہیں اور عوام کو جس طرح گمراہ کیا، وہ علیحدہ چیز دوسرا مسئلہ ایک خالص سیاسی مسئلہ ہے۔ اس کو سیاسی طور پر ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

Mr. H. N. Bahuguna has said that he and other leaders had not quit the Congress for the purpose of capturing power.

نیشنل ہیرلڈ (۱۲ مارچ ۱۹۷۷) نے یہ کارٹون شائع کیا تھا اس کا عنوان تھا "سنیاس" اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا: مسٹر بہوگنا نے کہا کہ انھوں نے اور دوسرے لیڈروں نے کانگریس کو اس لئے نہیں چھوڑا ہے کہ وہ حکومت حاصل کریں۔

WE RECOGNISE THE FORCES THAT SUPPORTED BHUTTO, THE BHUTTO CONSTITUENCY OF THE POOR PEASANTS AND WORKERS. THIS IS A CONSTITUENCY WHERE THE MARTIAL LAW CANNOT DO ANYTHING. IT IS A POLITICAL PHENOMENON AND IT IS FOR THE POLITICIANS TO WORK THERE, FOR POLITICAL EVOLUTION TO TAKE ITS NORMAL COURSE. WE ARE TRYING TO DO THAT. WE ARE TRYING TO EXPOSE BHUTTO FOR WHAT HE WAS. WE HAVE TO TELL THE POOR PEOPLE THAT THEY HAVE BEEN MISLED.

The Times of India 14.1.1978

ہم کو ان طاقتوں کا اندازہ ہے جنھوں نے بھٹو کی مدد کی تھی۔ یہ بھٹو کا وہ حلقہ ہے جو غریب کسانوں اور مزدوروں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ایسا حلقہ ہے جہاں مارشل لا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک سیاسی مظاہرہ ہے اور یہ سیاست دانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہاں کام کریں۔ تاکہ سیاسی ارتقار ہو اور سیاست اپنے نارمل راستہ پر آسکے۔ ہم اس وقت یہی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم بھٹو کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کیا تھے۔ ہم کو غریب عوام کو بتانا ہے کہ ان کو غلط رہنمائی دی گئی تھی۔

پاکستان ٹائمس کو انٹرویو دیتے ہوئے ولی خاں مزید کہتے ہیں:

اب تک تین عوامی نعرے استعمال ہوئے ہیں۔ پہلا مقدس نعرہ تھا: پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ۔ پھر دوسرا نعرہ آیا: روٹی کپڑا اور مکان۔ ان دونوں کا نقصان قوم اٹھا چکی ہے۔ اب ہمارا نعرہ ہے: "نظامِ مصطفیٰ"۔ ہم کو بتانا ہوگا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اور عوام کو مطمئن کرنا ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ان کا اقتصادی اور سماجی حق ملے۔ ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک متعین اقتصادی پروگرام ہو۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ ہم بھٹو کے حلقہ اثر میں کام کر سکتے ہیں۔

ایک اقتباس

ڈاکٹر الطاف حسن قریشی (اڈیٹر اردو ڈائجسٹ لاہور) نے ۷ ستمبر ۱۹۷۷ کو پاکستان کے فوجی حکمراں جنرل محمد ضیاء الحق سے انٹرویو لیا تھا۔

"مجھے یاد ہے کہ جب جنرل محمد یحییٰ خاں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹرز میں پہلی پریس کانفرنس کی تھی تو وہ ٹی وی کیمروں پر بری طرح برسے تھے اور کہا تھا کہ مجھے پبلسٹی کا ذرا بھی شوق نہیں۔ مگر چند ہی روز بعد اخبارات میں ان کی بڑی بڑی تصویریں شائع ہونے لگیں"

ڈاکٹر الطاف حسن قریشی یہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "مگر جنرل ضیاء الحق کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ سچ مچ کے منکسر المزاج انسان ثابت ہوئے ہیں"

ڈاکٹر قریشی کے سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا "کیا آپ فوجی قوت کے بل بوتے پر اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں"

جنرل ضیاء الحق نے جواب دیا:

"نہیں ہرگز نہیں۔ میں تو جمہوریت پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہوں۔ ہم اقتدار پر قابض رہنے کے لئے نہیں اقتدار منتقل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ عام انتخابات انشاء اللہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کو ضرور منعقد ہوں گے۔ خدا کے ساتھ اور پوری قوم کے ساتھ میں نے ایک عہد باندھا ہے اور اسے پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا"

اگلا سوال "اگر انتخابات کے نتائج برے برآمد ہوئے تو پھر بھی کیا اقتدار منتقل کر دیا جائے گا"

"میں کون ہوتا ہوں یہ فیصلہ کرنے والا کہ نتائج اچھے ہیں یا برے۔ عوام جو بھی فیصلہ دیں، ہم اس کے پابند رہیں گے"

اردو ڈائجسٹ لاہور۔ ستمبر ۱۹۷۷، صفحہ ۲۰

مؤلف :
مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۲۴۰ــ قیمت مجلد مع پلاسٹک کور بارہ روپے
قیمت مجلد بغیر پلاسٹک کور دس روپے

دین کی حقیقت، تعلیمات قرآن کی حکمتیں، سیرت رسول کا انقلابی سبق
موجودہ زمانہ میں اسلام کے مسائل، دین کا تجدید و احیاء
امت مسلمہ کی تعمیر، دعوت اسلامی کے جدید امکانات ــ

ان موضوعات کے گہرے مطالعہ کے لئے "الاسلام" پڑھئے۔
جدید سائنٹفک اسلوب میں، نہایت دلچسپ اور معلومات سے بھرپور۔

قارئین الرسالہ کے مسلسل اصرار پر قیمت میں غیر معمولی کمی
تاجروں اور ایجنٹوں کے لئے خصوصی کمیشن

کتاب کی روانگی کا خرچ ادارہ کے ذمہ ہوگا

الدار العلمیہ، جمعیتہ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

شہادت حسین: ایک مطالعہ

حسن اور حسین، اسلامی تاریخ میں، دو مختلف قسم کے طریق کار کی علامت ہیں۔ حسین، سیاسی طریق کار کی علامت ہیں اور حسن غیر سیاسی طریق کار کی۔ امام حسین نے وقت کے مسلم حکمراں سے ٹکرا کر جس سیاسی مقصد کو حاصل کرنا چاہا، اسی مقصد کو امام حسن نے ٹکراؤ کے میدان سے واپسی کے ذریعہ حاصل کیا۔ اگرچہ امام حسین کا کردار اتنا مشہور ہوا کہ ہر آدمی اس سے واقف ہوگیا۔ جب کہ امام حسن کے کردار سے، اس کی ساری عظمتوں کے باوجود، بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اور اس سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اس عظیم کردار کی اہمیت کو سمجھتے ہوں۔

امام حسین بن علی (۶۱ - ۴ ھ) کی چھاپ بعد کی اسلامی تاریخ پر اتنی زیادہ ہے کہ آنجناب، کم از کم عملاً، اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی علامت بن گئے ہیں۔ مسلمان ہر سال جس دھوم سے "۱۰ محرم" کی یادگار مناتے ہیں، کسی بھی دوسرے دن کی یادگار اس طرح نہیں مناتے۔ حتیٰ کہ شاید "۱۲ ربیع الاول" کی بھی نہیں۔ عام خیال کے مطابق اسلام کی روح یہ ہے کہ آدمی ناحق کے آگے سر نہ جھکائے۔ خواہ اس راہ میں لڑ کر اس کو اپنی جان دے دینی پڑے۔ اسی کا نام، لوگوں کے نزدیک، شہادت ہے۔ یہ شہادت اپنی اعلیٰ ترین شکل میں امام حسین کی زندگی میں متمثل ہوئی ہے۔ آپ کے ساتھ، عام روایت کے مطابق، کل ۷۲ آدمی تھے۔ دوسری طرف آپ کے مقابلہ کے لئے چھ ہزار کا لشکر پورے سازوسامان کے ساتھ موجود تھا۔ مگر آپ ظالم حکمراں کے آگے نہیں جھکے اور لڑ کر اپنی جان دے دی:

سرداد نگرنداد دست در دست یزید

عجیب بات ہے کہ اسلامی تاریخ کی یہ سب سے زیادہ مشہور بات نہ اسلام کے مطابق ہے اور نہ خود تاریخی واقعات کے مطابق۔ اسلام اور تاریخ دونوں اس تصویر کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

واقعات کیا کہتے ہیں

اب دیکھئے کہ اصل تاریخی تصویر کیا ہے۔ مکہ میں قبیلہ قریش (بنو عبد مناف) کی دو بڑی شاخیں تھیں۔ ایک بنو ہاشم۔ دوسرے بنو امیہ۔ ان دونوں میں قدیم زمانہ سے خاندانی رقابت چلی آرہی تھی۔ بنو ہاشم میں پیغمبر پیدا ہوئے تو ہاشمیوں میں تو صرف ایک شخص (عبد العزیٰ) آپ کا دشمن بنا۔ مگر اموی گھرانے کے لوگ عام طور پر آپ کے مخالف ہوگئے۔ تاہم ان کی مخالفت کامیاب نہ ہوسکی۔ فتح مکہ (۸ ھ) کے بعد، عرب کے دوسرے قبائل کی طرح، بنو امیہ بھی اسلام میں داخل ہوگئے۔ عہد رسالت اور بعد کو خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کے لائق افراد نے مختلف اسلامی عہدے حاصل کئے۔ خلیفہ سوم عثمان بن عفان جو کہ اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے زمانہ (۳۵-۲۴ھ) میں بنو امیہ کا اثر و رسوخ کافی بڑھ گیا۔ اس کے بعد جب علی بن ابی طالب کا انتخاب ہوا، جو پہلے ہاشمی خلیفہ تھے، تو بنو امیہ کی رقابت

جاگ اٹھی۔ خونِ عثمان کے مسئلہ نے ان کا ساتھ دیا اور انھوں نے خلیفہ چہارم کی بیعت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ آپ کا پورا زمانہ خلافت (۳۵ھ - ۴۰ھ) باہمی خانہ جنگیوں میں گزرا۔ یہاں تک کہ آپ ایک جنونی مسلمان کے ہاتھ سے شہید کر دیئے گئے۔

علی بن ابی طالب کے بعد آپ کے صاحبزادہ حسن بن علی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ صرف عراق اور خراسان (ایران) کی خلافت امام حسن کے حصہ میں آئی تھی۔ بقیہ تمام ممالک یمن، حجاز، شام، فلسطین، مصر وغیرہ معاویہ بن ابی سفیان اموی کے زیر قبضہ تھے جنھوں نے علی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں کی تھی اور اب حسن کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بھی انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ ربیع الاول ۴۱ھ میں صورت حال اس نوبت کو پہنچ چکی تھی کہ ایک طرف امام حسن کے ساتھ چالیس ہزار سے زیادہ مسلح افراد تھے جو موت پر بیعت کئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف امیر معاویہ کے جھنڈے کے نیچے ساٹھ ہزار کا لشکر مرنے مارنے پر تیار تھا۔ امام حسن نے خیال کیا کہ میرے والد کی پانچ سالہ خلافت کے زمانہ میں مسلمان خود اپنے بھائیوں کی تلواروں سے ذبح ہوتے رہے۔ اب اگر میں خلافت پر اصرار کرتا ہوں تو عملاً اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ یہ باہمی قتل وخون مزید نامعلوم مدت تک جاری رہے گا۔ امام حسن اگرچہ حق پر تھے اور وہی ممالک اسلامی کے جائز خلیفہ تھے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ فریق ثانی ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہے، وہ خود ہی میدان مقابلہ سے ہٹ گئے اور خلافت کا عہدہ امیر معاویہ کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد ۲۰ سال (۴۱ھ - ۶۰ھ) تک حالات پر سکون رہے۔ اسلامی قوتیں آپس کی جنگ کے بجائے اسلام کی سرحدوں کو وسیع کرنے میں لگ گئیں۔ امیر معاویہ کے انتقال (رجب ۶۰ھ) کے بعد خلافت کا مسئلہ دوبارہ زندہ ہوا۔ امام حسین، جو اپنے بڑے بھائی کی دست برداری خلافت سے خوش نہ تھے، انھوں نے امیر معاویہ کے لڑکے یزید بن معاویہ (۶۰ھ - ۶۴ھ) کی خلافت کو ماننے سے اسی طرح انکار کر دیا جس طرح اس سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے ان کے والد علی بن ابی طالب کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ یہیں سے امام حسین بن علی (۴ھ - ۶۱ھ) کا وہ کردار شروع ہوتا ہے جس کی یاد ہر سال ۱۰ محرم کو منائی جاتی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یزید بن معاویہ نے دمشق کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اپنے مدینہ کے والی عتبہ بن ابی سفیان کو لکھا کہ لوگوں سے میرے نام پر بیعت لو۔ ولید نے لوگوں کو جمع کیا تو امام حسین نے فوری طور پر بیعت ہونے سے معذوری ظاہر کی۔ اگلے روز وہ خاموشی کے ساتھ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ تاہم مکہ بھی ان کے لئے سکون کی جگہ نہ بن سکا۔ کیونکہ مکہ کے لوگوں نے عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ یہ صورت حال امام حسین پر اس قدر گراں تھی کہ وہ اور ان کے اہل خاندان مکہ میں عبد اللہ بن زبیر کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے جو عملاً اس وقت مکہ کے حاکم تھے۔

خونِ عثمان کے مسئلہ نے مکہ اور مدینہ کو خلیفہ چہارم علی بن ابی طالب کے لئے نامساعد بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ (عراق) کا قیام اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح اسلام کا دار الخلافہ ۳۶ھ میں مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گیا۔

امام حسن نے خلافت سے دست برداری (۴۱ ھ) کے بعد کوفہ کا قیام ترک کر دیا اور اپنے سابق وطن (مدینہ) کی طرف لوٹ آئے۔ کوفیوں کی نفسیات کے بارے میں عرب شاعر فرزدق نے نہایت صحیح طور پر امام حسین سے کہا تھا: "اہل کوفہ کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں بے نیام نہیں ہو سکتیں"۔ یزید کو جب خلافت کا عہدہ ملا تو اہل کوفہ کی محبتِ اہل بیت جوش میں آئی۔ انھوں نے امام حسین کو خطوط لکھنے شروع کئے کہ آپ کوفہ آجائیں۔ ہم سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ اس قسم کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط کوفہ سے مکہ پہنچے۔

امام حسن صورت حال کی نزاکت کو اچھی طرح جان چکے تھے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی حسین کو وصیت کر دی تھی کہ تم کبھی کوفہ والوں کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ میں اچھی طرح جان چکا ہوں کہ نبوت اور خلافت دونوں ہمارے خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم اس معاملہ میں خاموش رہو۔ مگر امام حسین کی حوصلہ مند طبیعت اس قسم کے کسی مشورہ پر راضی نہ ہو سکتی تھی۔ انھوں نے کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم پہلے کوفہ جاؤ اور وہاں پوشیدہ طور پر میرے لئے بیعت لو۔ جلد ہی میں بھی وہاں پہنچتا ہوں۔ مسلم بن عقیل اس منصوبہ سے متفق نہ تھے۔ تاہم امام حسین کے اصرار پر وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

مسلم بن عقیل جب امام حسین کے نمائندہ کی حیثیت سے کوفہ پہنچے تو وہاں بہت سے لوگوں نے ان کی پذیرائی کی۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ۱۸ ہزار آدمی نیابتہً ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ یزید کو جب خبر ہوئی تو اس نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ والوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ پہنچا اور لوگوں کو جمع کرکے انھیں سخت تنبیہ کی۔ اس کے بعد مسلم بن عقیل اور ان کے کوفی میزبان ہانی بن عروہ کو اپنے محل کی چھت پر کھڑا کرکے قتل کرا دیا۔ ان کے کٹے ہوئے سر اور خون آلود جسم ہوا میں لہراتے ہوئے لوگوں کے سامنے زمین پر گرے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ امام حسین کا ساتھ دینے سے پہلے لوگوں کو سوچ لینا چاہئے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ تمام لوگ خاموش ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

مکہ میں امام حسین ان تمام واقعات سے بے خبر رہ کر کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عمرو بن سعد بن العاص، عبدالرحمٰن بن حارث اور مکہ کے دوسرے بزرگوں نے امام حسین کو شدت سے منع کیا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ آپ کوفہ جانے کے بجائے مکہ کی حکومت قبول فرمائیں۔ آپ ہاتھ بڑھائیں۔ میں سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے مدینہ سے خط لکھ کر باصرار منع کیا۔ مگر انھوں نے نہیں مانا۔ حتیٰ کہ انھوں نے عبداللہ بن عباس کی اس آخری بات کو ماننے سے بھی انکار کر دیا کہ عورتوں اور بچوں کو مکہ میں چھوڑ کر سفر کریں یا کم از کم حج کے بعد روانہ ہوں جس میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔

امام حسین ذی الحجہ ۶۰ ھ کے پہلے ہفتہ میں کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے امام حسین سے کہا۔ "میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ مکہ واپس چلے جائیں۔ اگر آپ بنوامیہ سے خلافت چھیننے کی کوشش کریں گے تو وہ ضرور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اور پھر ہر ایک ہاشمی، ہر ایک عرب اور ہر ایک مسلمان

کے قتل پر دلیر ہو جائیں گے۔" مگر امام حسین کی حوصلہ مند طبیعت کے لئے کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ یزید بن معاویہ اور اس کے والیٔ عراق عبیداللہ بن زیاد کو سب خبریں مل رہی تھیں۔ انھوں نے چھ ہزار کی فوج مختلف مقامات پر لگا دی کہ آپ کو کوفہ میں داخل نہ ہونے دے۔ امام حسین کے ساتھ ابتداءً چند سو آدمی تھے۔ جب ان کو یزیدی فوج کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو لوگ چھٹنا شروع ہوئے یہاں تک کہ کربلا پہنچتے پہنچتے آپ کے قافلہ کی تعداد بہتر رہ گئی۔ صرف اپنے خاندان اور قبیلہ کے لوگ باقی رہ گئے۔

تاہم آخر وقت میں امام حسین کو صورت حال کا اندازہ ہو گیا۔ مسلم بن عقیل کے قتل، کوفیوں کی بے وفائی اور یزید کے لشکر جرار کے مقابلہ میں آپ کا مختصر قافلہ، ان چیزوں نے آپ کی کامیابی کے امکان کو ختم کر دیا تھا۔ آپ نے سمجھ لیا کہ تصادم کا واحد مطلب ہے موت۔ امام حسین ایک انتہائی شریف اور بہادر آدمی تھے۔ جنگ یا موت انھیں خوف زدہ نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اپنے ساتھیوں نیز عورتوں اور بچوں کے لئے اپنے دل میں جذبۂ رحم کی پیدائش کو روکنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ آخر وقت میں وہ یزید سے صلح کرنے کے لئے راضی ہو گئے۔ انھوں نے یزید کے والی عبیداللہ بن زیاد کے سامنے تین تجویزیں پیش کیں:

۱۔ میں مکہ واپس چلا جاؤں اور وہاں خاموشی کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاؤں۔
۲۔ مجھے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو کہ وہاں کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔
۳۔ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ (اِمّا ان اضع یدی فی ید یزید، الطبری، جلد ۴، صفحہ ۳۱۳)

امام حسین کے رویہ میں اس تبدیلی سے یزیدی فوج کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ اگرچہ دونوں کربلا کے میدان میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ اس کے باوجود "نواسۂ رسول" کے احترام کا یہ حال تھا کہ دونوں طرف کے لوگ مل کر نمازیں ادا کرتے تھے اور اکثر حسین ہی لوگوں کے امام ہوتے تھے۔ عبیداللہ بن زیاد کے پاس امام حسین کا پیغام پہنچا تو وہ بھی بہت خوش ہوا کہ لڑائی بھڑائی کے بغیر مسئلہ ختم ہو جائے گا اور امام حسین یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ لیکن عبیداللہ بن زیاد کا ایک مشیر شمر ذی الجوشن، جو نہایت بری طبیعت کا آدمی تھا، اس نے عین وقت پر عبیداللہ بن زیاد کے ذہن کو پھیر دیا۔ اس نے سمجھایا کہ امام حسین کے مسئلہ کو آخری طور پر ختم کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔ عبیداللہ بن زیاد کے حکم پر اس کی فوجوں نے امام حسین کے لئے لوٹنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ وہ جس سمت سے بھی واپس ہونا چاہتے، ادھر ہی ایک فوج ان کا راستہ روکنے کے لئے موجود رہتی۔

۱۰ محرم ۶۱ ھ کو یزیدی فوجوں کی طرف سے حملہ کا آغاز ہوا۔ امام حسین کے قافلہ نے نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ سارے لوگ کٹ گئے اور آخر میں، عورتوں اور بچوں کے علاوہ، صرف امام حسین بچ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یزیدی فوج کا ہر آدمی آپ پر وار کرنے سے بچتا تھا اور طرح دے جاتا تھا۔ آخر میں وہی شمر ذی الجوشن آگے بڑھا جس نے عبیداللہ بن زیاد کو آپ کے خلاف جنگ کے لئے اکسایا تھا۔ اس نے چند آدمیوں کو لے کر اس بہادر انسان پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کا کام تمام کر دیا۔ اس میں اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ شمر ذی الجوشن، امام حسین کا پھوپھا

لگتا تھا اور عمرو بن سعد، جس نے امام حسین کے قافلے کی طرف پہلا تیر پھینکا تھا، امام حسین کا ماموں۔

امام حسین کے معاملہ کی یہ تصویر جو طبری اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ملتی ہے، وہ اس سے کافی مختلف ہے جو ہمارے شعراء اور مقررین و محررین پُر جوش الفاظ میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسین کا سیاسی اقدام بڑی حد تک ذاتی حوصلہ کے تحت وجود میں آنے والا اقدام تھا۔ اس وقت جو صحابہ کرام زندہ تھے، وہ سب اس معاملہ میں آپ کے خلاف تھے۔ مکہ اور مدینہ کے بزرگ ان کو اس اقدام سے روک رہے تھے، حتیٰ کہ خود آپ کے اعزہ بھی آپ سے اتفاق نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود ان کی حوصلہ مند طبیعت کے لئے کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔

تاہم آخری دنوں میں معاملہ کی نزاکت ان کی سمجھ میں آگئی اور وہ ٹھیک اسی رائے پر پہنچ گئے جہاں ان کے بڑے بھائی امام حسن اپنی دور اندیشی سے ۲۰ سال قبل پہنچے تھے۔ یزید بن معاویہ جو اپنے دار الخلافہ دمشق (شام) میں مقیم تھا۔ اگر وہ خود کربلا (عراق) کے میدان میں اپنی فوجوں کے ساتھ موجود ہوتا اور حسین و یزید کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی تو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ امام حسین کی آخری شرط پر راضی ہو جاتا ——— یزید اس امام حسین کا دشمن تھا جو اس کا سیاسی حریف ہو۔ بیعتِ خلافت کے بعد امام حسین اس کے لئے "نواسۂ رسول" ہوتے اور وہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے وطن کی طرف لوٹا دیتا۔ مگر یزید کو امام حسین کی مصالحانہ پیش کش کا علم صرف اس وقت ہوا جب کہ ان کا سر ان کے تن سے جدا کیا جا چکا تھا۔

سیاسی حریف کا مسئلہ

امام حسین نے مقابلہ کے آخری دن (۱۰ محرم ۶۱ھ) کربلا کے میدان میں یزید کی فوج کے سامنے جو تقریر کی، وہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے، دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے فرمایا: "عیسیٰ کا گدھا بھی اگر باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس کی پرورش کرتے۔ تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول کے نواسے کو قتل کرنا چاہتے ہو" دراصل "رسول کے گدھے" کا معاملہ ہوتا تو مسلمان بھی اس کو پوجتے۔ رسول کے نواسے کا احترام کرنے کے لئے وہ دل و جان سے تیار تھے۔ مگر یہاں مسئلہ یہ تھا کہ رسول کا نواسہ (امام حسین) ان کا سیاسی حریف بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سیاسی حریف کو کوئی بھی نہیں بخشتا، خواہ وہ عیسائی ہو یا مسلمان۔ وہی یزید جس نے ۶۱ھ میں امام حسین کے استیصال کے لئے ایک ظالم سردار (عبید اللہ بن زیاد) کو مقرر کیا، اسی نے ۶۳ھ میں مدینہ پر چڑھائی کے لئے مسلم بن عقبہ کو روانہ کیا تو اس کو تاکیدی حکم دیا کہ حسین کے صاحبزادے علی بن حسین بن علی (۹۵ - ۳۸ھ) کا پورا خیال رکھنا اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) حادثۂ کربلا کے بعد سیاست سے الگ ہو کر مدینہ کے نواح میں مقیم ہو گئے تھے۔ اہل مدینہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہا تو انھوں نے بیعت لینے سے صاف انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا: "میرے باپ اور دادا دونوں خلافت کے معاملہ میں اپنی جانیں کھو چکے ہیں۔ کیا میں بھی اس میں مشغول ہو کر اپنے کو قتل کراؤں"۔ کربلا کی جنگ کے خاتمہ کے بعد امام حسین کے بچے ہوئے

دوسری طرف امام حسن کے بارے میں جو روایات ہیں، وہ نہ صرف سنداً زیادہ قوی ہیں، بلکہ محبت فطری سے آگے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً انس بن مالک بتاتے ہیں:

لم یکن احدٌ اشبہَ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الحسن بن علی (رواہ البخاری)

حسن بن علی سے زیادہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہ تھا۔

صوری اور طبعی مشابہت کے علاوہ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ صحیح روایات میں امام حسین کے لئے کسی تاریخی کردار کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ جب کہ دوسری طرف یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن کے بارے میں ایک عظیم کردار ادا کرنے کی پیشین گوئی فرمائی تھی:

عن ابی بکرۃ، قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسنُ ابن علی الی جنبہ وھو یُقبل علی الناس مرّۃً وعلیہ اُخری۔ ویقول: انّ ابنی ھذا سیّدٌ، ولعلّ اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین (رواہ البخاری)

ابو بکرہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پہ دیکھا ہے حسن بن علی آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ایک بار لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، دوسری بار ان کی طرف۔ اور فرماتے تھے۔ یہ میرا لڑکا سردار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے۔ ۵

رسول کی یہ پیشین گوئی امام حسن کی زندگی میں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ آپ کی بیعت ۴۰ھ میں اس حال میں ہوئی کہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کچھ لوگ بنو امیہ کے جھنڈے کے نیچے جمع تھے، کچھ بنو ہاشم کے — دونوں میں سے کوئی نہ دوسرے کو ختم کرسکتا تھا نہ ہار ماننے کے لئے تیار تھا۔ آپ نے بیعت لی تو آپ نے لوگوں سے یہ اقرار بھی لیا: "میں جس سے جنگ کروں تم اس سے جنگ کروگے، میں جس سے صلح کروں تم اس سے صلح کروگے"۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد آنجناب کے صاحبزادہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہونا بنو امیہ کے قائد معاویہ بن ابی سفیان کے لئے نئے چیلنج کے ہم معنی تھا۔ وہ اپنے دار السلطنت دمشق سے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے جہاں حسن بن علی مقیم تھے۔ امام حسن کوفہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ بھی تقریباً اتنی ہی فوجی طاقت تھی۔ ایک مشاہد کے الفاظ میں پہاڑ جیسے لشکر (کتائب امثال الجبال) آپ کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ آپ کے والد علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرچکے تھے۔ اور لڑنے مرنے سے کم کسی چیز پر راضی نہ تھے۔

دونوں طرف کے لشکر مدائن کے قریب جمع ہوئے۔ معاویہ بن ابی سفیان نے امام حسن کے نام پیغام بھیجا کہ جنگ سے بہتر صلح ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ مجھ کو خلیفہ تسلیم کرکے میرے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں۔ امام حسن نے غور و فکر کے بعد اس پیش کش کو منظور کرلیا۔ چھ ماہ خلیفہ رہ کر ۴۱ھ میں امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور خلافت ان کے سپرد کردی۔

امام حسن کے پُرجوش حامیوں کے لئے یہ "ذلت" ناقابل برداشت تھی۔ انھوں نے اس فیصلہ کے خلاف

---

۵ یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مختلف طرق سے نقل ہوئی ہے۔ مثلاً ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں
ان ابنی ھذا سید وعسی اللہ ان یبقیہ حتی یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین

بہت شور وغل کیا۔ آپ کو عار المسلمین (مسلمانوں کے لئے ننگ) اور مذلّ المومنین (مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے) کا خطاب دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو کافر بتایا، آپ کے کپڑے نوچے، آپ پر تلوار سے حملہ کیا۔ مگر آپ کسی بھی حال میں مقابلہ آرائی کی سیاست اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

"خلافت اگر معاویہ کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا، اگر میرا حق تھا تو میں نے ان کو بخش دیا"

صلح کے بعد امیر معاویہ نے امام حسن کے لئے ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ (حافظ ذہبی، العبر، جلد ا، صفحہ ۴۰)

ایک شخص کے پیچھے ہٹ جانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف باہمی اجتماعیت میں تبدیل ہو گیا۔ ۴۱ ھ جو اسلامی تاریخ میں، صفین و جمل کے بعد، تیسری سب سے بڑی باہمی خوں ریزی کا عنوان بنتا، عام الجماعت کے نام سے پکارا گیا۔ وہ اختلاف کے بجائے اتحاد کا سال بن گیا۔ مسلمانوں کی قوت جو آپس کی لڑائیوں میں برباد ہوتی، اسلام کی اشاعت و توسیع میں صرف ہونے لگی ــــــ پیچھے ہٹنا سب سے بڑی بہادری ہے۔ اگرچہ بہت کم لوگ ہیں جو اس بہادری کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکیں۔

پیغمبر اسلام کی وفات (۱۱ ھ) کے بعد ۲۰ سال تک اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر مہینے کسی نہ کسی بڑے علاقہ کی فتح کی خبر آتی تھی۔ مگر تیسرے خلیفہ کے آخری زمانہ میں جو باہمی لڑائیاں شروع ہوئیں، انھوں نے تقریباً ۱۰ سال تک فتوحات کا سلسلہ ختم کر دیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس بند دروازہ کو جس شخص نے دوبارہ کھولا، وہ امام حسن ہی تھے۔ ۴۱ ھ میں آپ کی خلافت سے دست برداری بظاہر میدان عمل سے واپسی کا ایک فیصلہ تھا۔ مگر حقیقۃً یہ زیادہ بہتر طور پر میدان عمل کی طرف جانا تھا۔ یہ مسلمانوں کی قوت کو باہمی مقابلہ آرائی سے ہٹا کر خارجی میدان میں جد و جہد کی طرف موڑ دینا تھا۔ اس واپسی نے اسلام کی تاریخ میں کامیابی کے نئے امکانات کھول دیئے۔ امام حسن اگر خلافت پر اصرار کرتے تو عجب نہیں کہ اسلامی تاریخ پہلی صدی ہجری ہی میں ختم ہو جاتی۔ مسلمان آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے رہتے اور قیاصرہ و اکاسرہ اور یہود و منافقین دوبارہ زندہ ہو کر ہمیشہ کے لئے اسلام کا استیصال کر دیتے۔ تاریخ اسلام کے ہیرو کا انتخاب اگر حسنین میں سے کسی کے لئے کرنا ہو تو بلاشبہ وہ امام حسن ہوں گے۔

پیغمبر کی ہدایات

امام حسن کا یہ مسلک کوئی اتفاقی یا طبعی چیز نہ تھا۔ وہ شریعت کی واضح تعلیمات پر مبنی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بتا دیا تھا کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی سیاست میں بگاڑ آنے والا ہے، چنانچہ آپ نے انتہائی واضح لفظوں میں حکم دیا تھا کہ "اصلاح" کے نام پر تم لوگ آپس میں لڑنے مت لگنا بلکہ اپنی ذاتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف رہنا۔ حدیث کی کتابوں میں کتاب الفتن کے تحت کثرت سے اس قسم کی روایتیں موجود ہیں۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ "خیر" کی بابت پوچھتے تھے۔ میں آپ سے "شر" کی بابت سوال کرتا تھا، اس اندیشہ سے کہ کہیں میں اس میں مبتلا ہو جاؤں۔ میں نے پوچھا، ہم جاہلیت اور شر میں تھے پھر

اللہ نے ہم کو خیر دیا۔ کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہے (فھل بعد ھذا الخیر من شر) آپ نے فرمایا ہاں:

یکونُ بعدی ائمۃ لا یھتدون بھُدای ولا یستنّون بسنتی۔ وسیقومُ فیھم رجالٌ، قلوبھم قلوب الشیاطین فی جُثمان انس۔ قال حُذیفۃ قلتُ: کیف اصنع یارسول اللہ اِن ادرکتُ ذلک۔ قال تَسمَعُ وتطیعُ الامیر وان ضُرِبَ ظھرکَ واُخِذَ مالکَ، فاسمع واطع (رواہ مسلم)

میرے بعد ایسے امیر ہوں گے جو میری ہدایت کو نہیں اختیار کریں گے اور میری سنت پر نہیں چلیں گے۔ ان میں ایسے لوگ اٹھیں گے جو بظاہر انسان ہوں گے مگر ان کے جسم کے اندر شیطانی دل ہوں گے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے خدا کے رسول اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ امیر کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ خواہ تمھاری پیٹھ پر مارا جائے اور تمھارا مال چھینا جائے۔ ہر حال میں سن اور اطاعت کر

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَاِلا فمت وانت عاضٌّ علی جذل شجرۃ (ورنہ مر جاؤ اس حال میں کہ تم درخت کے ٹھنٹھ کو پکڑے ہوئے ہو)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ویلٌ للعرب من شرٍّ قد اقترب، افلح من کفّ یدہ (رواہ ابوداؤد)

خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آ لگا۔ اس میں وہ شخص کامیاب رہے گا جس نے اپنے ہاتھ کو روکا۔

ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنہ سے ڈرایا۔ لوگوں نے پوچھا: ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ (فَمَا تَأمرنا)۔ آپ نے فرمایا:

کِسّروا فیھا قِسِیّکم وقطّعوا فیھا اوتارکم واضربوا سیوفکم بالحجارۃ۔ والزموا فیھا اجواف بیوتکم۔ فان دُخِلَ علی احدٍ منکم فلیکن کخیر ابنَی آدم (رواہ ابوداؤد)

اس میں اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو۔ اپنی تانت کو کاٹ ڈالو۔ اپنی تلواروں کو پتھر پر پٹک دو۔ اور اپنے گھروں کے اندر بیٹھ رہو۔ اگر کوئی تم کو مارنے کے لئے تمھارے گھر میں گھس آئے تو تم آدم کے دو لڑکوں میں سے بہتر لڑکے بنو۔ (قتل ہو جاؤ مگر قتل نہ کرو)

یہی ہدایت تھی جس پر خلیفہ سوم عثمان بن عفان نے عمل کیا۔ آپ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ منتخب ہوئے اور ذی الحجہ ۳۵ھ میں مسلمان بلوائیوں نے آپ کو شہید کر دیا جب کہ آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ اس وقت مدینہ کے وفادار مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے مکان پر موجود تھی اور بلوائیوں کو روکنے کے لئے لڑنے مرنے پر تیار تھی۔ مگر خلیفہ سوم نے ان کو قسم دلا دلا کر اپنے مسلمان بھائیوں پر حملہ کرنے سے روکا۔ آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے تلواروں اور نیزوں سے آپ کو قتل کر دیا۔

خلیفہ سوم کا اس طرح خاموشی سے قتل ہو جانا اتفاقاً نہیں بلکہ ارادۃً تھا۔ یہ دراصل شریعت کے حکم کی تعمیل تھی۔ شریعت کے مطابق، اپنی طرف سے جارحیت کا آغاز بندۂ مومن کے لئے کسی حال میں جائز نہیں۔ مسلمان دعوت و نصیحت

کی راہ سے عمل کرتا ہے نہ کہ قتال کی راہ سے۔ اس کے بعد اگر دوسروں کی طرف سے جارحیت کا آغاز ہو تو دو صورتیں ہیں۔ جارحیت کا آغاز اگر کفار کی طرف سے ہو تو مخصوص شرائط کے تحت اس کے دفاع کا حکم ہے (بقرہ۔ ۱۹۰) لیکن جارحیت کا آغاز اگر مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ دفاع کے طور پر بھی اپنے دینی بھائی پر وار نہ کیا جائے:

لَئِنْ بَسَطتَّ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ
بقرہ - ۲۸

اگر تونے مجھے مارنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں تجھ کو مارنے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔

خلیفہ سوم نے اسی دوسرے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے مسلمان حملہ آوروں سے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور خاموشی سے شہید ہو گئے۔ وہ آدم کے دو بیٹوں میں سے بہتر بیٹے بن گئے۔ مگر عجیب بات ہے کہ جس خلیفہ نے اصول شریعت کی اتنی بڑی عملی مثال قائم کی تھی، اس کے خون کا انتقام لینے کے لئے، آپ کے بعد، مسلمان پانچ سال (۴۰ - ۳۵ھ) تک باہم لڑتے رہے۔ ایک خون عثمان کے نام پر ایک لاکھ مسلمانوں کو خود مسلمانوں کی تلواروں نے ذبح کر دیا۔ اس قتل در قتل کے باوجود قاتلین عثمان کا مسئلہ خدا کے یہاں فیصل ہونے کے لئے باقی رہ گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ہدایات اس اندیشہ کی بنا پر دی تھیں کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی سیاست میں بگاڑ آئے گا۔ اس وقت لوگوں کا دینی جذبہ "اصلاح سیاست" کے لئے ان کو خروج (بغاوت) پر ابھارے گا۔ آپ نے لوگوں کو پیشگی طور پر منع فرما دیا کہ اس قسم کی تحریک ہرگز نہ اٹھائیں۔ اپنے حکمرانوں کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے بجائے ان کو نصیحت کریں۔ اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو خاموشی اختیار کریں اور ان کے حق میں اللہ سے دعا مانگنے پر قناعت کریں۔ اس تاکید کی وجہ یہ تھی کہ ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف حق کا جھنڈا لے کر کھڑا ہونا فساد میں مزید اضافہ کے سوا کسی اور نتیجہ تک نہیں پہنچاتا:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: اسْتَنْصِتِ النَّاسَ، ثُمَّ قَالَ: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (متفق علیہ)

حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن مجھ سے فرمایا: "لوگوں کو چپ رکھو۔" پھر فرمایا، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

انھیں ہدایات کا نتیجہ تھا کہ جنگ صفین (۳۶ھ) کے وقت اصحاب رسول دسیوں ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ مگر مسلمانوں کی اس باہمی لڑائی میں عملاً شریک ہونے والے اصحاب کی تعداد بمشکل ۳۰ تھی (ابن تیمیہ، منہاج السنہ، جلد ۳، صفحہ [illegible])

حدیث کی کتابوں میں فتنہ کے ابواب کے تحت کثرت سے ایسی روایتیں ہیں جو اس کو غیر مشتبہ طور پر واضح کر رہی ہیں۔ انھیں واضح ہدایات کی بنا پر بعد کو فقہ میں یہ مسئلہ بنا کہ سلطان متغلب کے خلاف خروج (بغاوت) جائز نہیں۔

---

۵ انفرادی حالات میں اپنا متعین حق محفوظ رکھنے کے لئے اگر ایک مسلمان دوسرے سے مقابلہ کرے، تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے اقدام سے اجتماعی فساد پیدا ہو جائے گا:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قُتِلَ دونَ ماله فهو شهيد (متفق علیہ)

ترجمہ: جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا جائے، وہ شہید ہے۔

کیونکہ اس سے امت میں انتشار اور باہمی قتل و خون وجود میں آتا ہے۔

یہاں اس سلسلے میں چند مزید روایتیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں۔

عَن عَوفِ بن مالِکٍ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: خیار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم، وتصلون علیہم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونہم ویبغضونکم۔ وتلعنونہم ویلعنونکم قال: قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذھم، قال: لا ما اقاموا فیکم الصلاۃ (رواہ مسلم)

عوف بن مالک کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: تمہارے بہتر امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کے لئے دعا کرو، وہ تمہارے لئے دعا کریں۔ اس کے برعکس تمہارے برے امیر وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنت کرو، وہ تم پر لعنت کریں۔ ہم نے عرض کیا اے خدا کے رسول، ہم ان سے کیوں نہ لڑیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں۔

عن ابی ھُنَیدَۃ وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ قال: سأل سَلَمۃُ بن یزیدَ الجُعفیُّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبیَّ اللہ ارأیتَ اِن قامت علینا امراءُ یسألونا حقہم ویمنعونا حقّنا فما تامرنا، فاعرض عنہ۔ ثم سألہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسمعوا واطیعوا فانما علیہم ما حُمّلوا وعلیکم ما حُمّلتم (رواہ مسلم)

وائل بن حجر کہتے ہیں کہ سلمہ بن یزید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، اگر ہمارے حاکم ایسے ہوں جو اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ ہم کو کیا ہدایت دیتے ہیں آپ نے منھ پھیر لیا۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا، سنو اور اطاعت کرو۔ جو وہ کریں گے اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے، جو تم کرو گے، اس کے تم ذمہ دار ہو گے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃً جاھلیۃً (متفق علیہ)

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناپسند ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ صبر کرے۔ اگر وہ اس کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ ؎

عن عبد اللہ بن مسعودٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہا ستکون بعدی اَثَرۃٌ وامورٌ تنکرونہا۔ قالوا یا رسول اللہ کیف

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے بعد خود غرضی و بے انصافی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم ناپسند کرو گے۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول۔ پھر آپ

؎ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ جاھلیۃ اور من شذّ شُذّ فی النار وغیرہ روایات کا تعلق سیاسی شذوذ سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے اندر جو سیاسی نظام بالفعل قائم ہو اس کی اطاعت لازم ہے۔ اس سے سیاسی علیحدگی جائز نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی علیحدگی، خواہ وہ اصلاح کے جذبہ سے ہو، صرف بگاڑ میں اضافہ کرتی ہے اور "حرث ونسل" کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

تامرمنا ادرک منا ذلک، قال: تؤدون الحق الذی علیکم وتسألون اللہ الذی لکم (متفق علیہ)

ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، تمھارے اوپر جو حق ہے، اس کو ادا کرو۔ اور تمھارا جو حق ہے اس کو خدا سے مانگو۔

عن ابی سعید، قال: قال رسول اللہ علیہ وسلم یوشک ان یکون خیرَ مالِ المسلم غنمٌ یتبع بھا شعفَ الجبال ومواقع القطر، یفرّ بدینہ من الفتن

(رواہ البخاری)

ابو سعید رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب مسلمان کا سب سے اچھا سرمایہ بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑوں کے اوپر اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے۔ (سیاسی) فتنوں کی وجہ سے وہ اپنے دین کو لے کر بھاگے گا۔

پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد کہ تمھارے حکمراں جب تک تم کو نماز پڑھنے دیں، ان سے مت لڑو، اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ ان سے کبھی نہ لڑو۔ کیونکہ ایسا کوئی بھی مسلم حکمراں نہیں ہو سکتا جس سے لوگ "نماز" پر راضی ہو جائیں، پھر بھی وہ ان کی مسجدوں کو ڈھائے اور ان کو رکوع وسجدہ نہ کرنے دے ———— تمام مسلم حکمراں جن کو ہم نے "ظالم" کے کٹہرے میں کھڑا کر رکھا ہے، وہ اسی وقت ظالم بنے جب کہ ان کے اقتدار کو چیلنج کیا گیا۔ اور "ظلم" کی یہ قسم اتنی عام ہے کہ ہر صاحب امر کے یہاں پائی جاتی ہے۔ خواہ وہ سیاسی ادارہ کے ہوں یا غیر سیاسی ادارہ کے۔

دوسری بات یہ کہ اس ہدایت کا مطلب امت کو "ظالم حکمرانوں کی بے زبان رعیت" بنانا نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ بڑے اور گہرے کام کا راستہ دکھانا ہے۔ یہ امت کے افراد میں منفی ذہنیت کے بجائے مثبت ذہنیت کی پرورش کرنا ہے۔ ان کی کوششوں کو تخریب سے ہٹا کر تعمیر کی طرف لگانا ہے۔ یہ اس عظیم حقیقت کی نشان دہی ہے کہ زندگی میں براہ راست اقدام سے کہیں زیادہ نتیجہ خیز وہ کام ہیں جو بالواسطہ میدانوں میں کئے جاتے ہیں۔ جو اگرچہ ظاہری دھوم دھام سے خالی ہوتے ہیں، تاہم وہ اتنے موثر ہوتے ہیں کہ بالآخر حریف کو اس زمین ہی سے محروم کر دیتے ہیں جس پر وہ کھڑا ہوا ہے ———— اللہ سے دعا کرنا، ایک دوسرے کے لئے محبت اور خیر خواہی کی فضا پیدا کرنا، دوسروں کے خلاف تحریک اٹھانے کے بجائے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے پر توجہ دینا، اپنی حق تلفی پر قانع رہ کر دوسروں کے حقوق ادا کرنا، سیاسی محاذ آرائی کا طریقہ چھوڑ کر خاموش تلقین کے ذریعہ انسانی فطرت کو جگانا، بر سر اقتدار افراد سے ٹکرانے کے بجائے عوام میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا، اپنے ممکن دائرہ میں اپنی تعمیری کوششوں کو جاری رکھنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو اپنے اندر اتھاہ تسخیری امکانات رکھتی ہیں۔ اور اگر کوئی گروہ صحیح طور پر ان کو اختیار کرلے تو کوئی چیز اس کو کامیابی تک پہنچنے سے روک نہیں سکتی۔

سیاسی منازعت بے فائدہ

پہلی صدی ہجری کا تجربہ آخری طور پر ثابت کر چکا ہے کہ قائم شدہ سیاسی نظام کے خلاف محاذ بنانا، خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ ہو، صرف بگاڑ میں اضافہ کرتا ہے۔ بلکہ نئے نئے مسئلے پیدا کر کے معاملہ کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ سیاست عثمانی کی اصلاح کی تحریک نے قبیلہ قریش کی دو شاخوں، بنو امیہ اور بنو ہاشم، کے قدیم خاندانی جھگڑے

کوئی شدید تر شکل میں زندہ کر دیا۔ اس نے نومسلم یہودی عبداللہ بن سبا کو وہ موافق زمین دی جس سے فائدہ اٹھا کر اس نے "وصی" کا عقیدہ ایجاد کیا اور استحقاق خلافت کے سیاسی مسئلہ کو اعتقاد کا مسئلہ بنا ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دائمی طور پر دو متحارب فرقوں (شیعہ اور سنی) میں تقسیم ہو گئے۔ دبی ہوئی عصبیتوں کو موقع ملا کہ وہ "نظریاتی" نعروں کے سایہ میں ایک دوسرے کے خلاف اٹھ سکیں۔ عربی لوگ، جو عجمیوں کو حقیر سمجھتے تھے، امیر معاویہ کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا ہو گئے۔ عجمی لوگ، جو عرب اقتدار سے متنفر تھے، علی بن ابی طالب کے لشکر میں جمع ہو گئے۔

اصلاح سیاست کی تحریک صرف فساد سیاست پر منتج ہوئی۔ اس نے سارے ممالک اسلامی میں انارکی پیدا کر کے خلیفہ سوم کو شہید کر دیا۔ مگر صرف آپ کے قتل پر معاملہ ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ اب عمل اور رد عمل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جو امیر معاویہ کی خلافت کے ایک عارضی وقفہ (۶۰ - ۴۱ ھ) کو چھوڑ کر سیکڑوں برس تک جاری رہا۔ لاکھوں قیمتی جانیں انتہائی بے دردی کے ساتھ ہلاک کر دی گئیں۔ اور اصل مسئلہ (خلافت میں بگاڑ کی اصلاح یا خون عثمان کا قصاص) پھر بھی وہیں حل ہونے کے لئے باقی رہ گیا جہاں تمام مسائل کو بالآخر حل ہونا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ حکومت کے لئے جو جنگ شروع کی جائے، اس کا خاتمہ نہ کامیابی پر ہوتا ہے اور نہ ناکامی پر۔ جماعت الف اور جماعت ب کی جنگ ختم ہوگی تو خود اس جماعت میں دو گروہ ہو جائیں گے جو جیت کر اوپر آئی ہے۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں حصول خلافت کی جنگ ۳۵ ھ میں شروع ہوئی اور تقریباً ایک سو سال تک مختلف شکلوں میں جاری رہی۔ اس پوری مدت میں بنو امیہ کا اقتدار قائم رہا۔ ۱۳۲ ھ میں بنو ہاشم (بنو عباس) ایرانیوں کی مدد سے بنو امیہ کا اقتدار ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اب بنو ہاشم، عباسیوں اور علویوں میں تقسیم ہو کر خود ہی ایک دوسرے کے خلاف لڑنے لگے۔ محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب جو محمد مہدی نفس ذکیہ (م ۱۴۵ ھ) کے نام سے مشہور ہوئے، عباسی خلیفہ ابو جعفر عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبد المطلب کے سیاسی حریف تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لے کر ابو جعفر منصور (۱۵۸-۱۰۱ ھ) کے خلاف "صالح نظام" کی تحریک چلائی۔ اس مقابلہ میں منصور کامیاب ہوا اور اس نے علویوں کو کچل ڈالا۔ یہ دونوں ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ابو طالب بن عبد المطلب کی اولاد تھا، دوسرا عباس بن عبد المطلب کی اولاد۔ جب تک بنو امیہ کو اقتدار سے ہٹانے کا سوال تھا دونوں متحدہ سیاسی محاذ بنائے ہوئے تھے۔ مگر جب حکومت بدلی تو دونوں ایک دوسرے کے رقیب بن گئے۔ یہ رقابت اس وقت تک ختم نہ ہوئی جب تک ایک نے دوسرے کو پیس نہ ڈالا۔

شہادت عثمان کے بعد اولاً ام المومنین عائشہؓ (م ۵۸ ھ) قاتلین عثمان کو سزا دلانے کا مطالبہ لے کر اٹھیں۔ زبیر بن العوام، طلحہ بن زبیر اور دوسرے بہت سے لوگ ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو دو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ عائشہ کے جھنڈے کے نیچے ۳۰ ہزار آدمی تھے اور علی بن ابی طالب کے ساتھ ۲۰ ہزار۔ بصرہ کے قریب مقابلہ ہوا جو جنگ جمل (۳۶ ھ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقابلہ میں ۱۰ ہزار مسلمان خود مسلمانوں کی تلوار سے ذبح ہو گئے۔ طلحہ اور زبیر بھی جنگ سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ختم ہو گئے۔ طلحہ زخم کے سبب سے۔ اور زبیر کو

مقام وادی السباع میں ایک شخص نے حالت نماز میں مار ڈالا۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ معاویہ بن ابی سفیان، جو اس وقت شام کے والی تھے، انھوں نے اس تحریک کا جھنڈا سنبھال لیا۔ علی بن ابی طالب کی طرف سے مطالبۂ بیعت تھا، معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے مطالبۂ قصاص۔ دوبارہ شام میں صفین کے مقام پر شدید تر مقابلہ (۳۷ ھ) ہوا۔ تقریباً ۷۰ ہزار مسلمانوں کی گردنیں خود مسلمانوں کے ہاتھوں کاٹ ڈالی گئیں۔ اس عظیم ہلاکت کے باوجود مسئلہ حل نہ ہوا تو تحکیم (دومۃ الجندل) کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ تاہم اصل مسئلہ دوبارہ بدستور اپنی جگہ باقی رہا۔ البتہ عمرو بن العاص نے اس موقع پر جو کردار ادا کیا، اس کی وجہ سے مزید نقصان یہ ہوا کہ جان کے قتل کے ساتھ اعتماد کے قتل کی روایات بھی مسلم معاشرہ میں قائم ہوگئیں۔ یہی بے اعتمادی کی فضا تھی جس نے خارجی فرقہ کو پیدا کیا، جس نے مقام نہروان (۳۸ ھ) پر علی بن ابی طالب سے مقابلہ کیا اور تقریباً ۱۰ ہزار مسلمان مارے گئے۔ ان کی بے اعتمادی یہاں تک بڑھی کہ انھوں نے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، اور علی بن ابی طالب کو یکساں طور پر گردن زدنی قرار دے دیا۔ ؎

خون عثمان کے نام پر پانچ سال (۳۵-۴۰ ھ) کی خانہ جنگی اور بے حساب نقصانات کے بعد عملاً جو ہوا، وہ یہ کہ امیر معاویہ کی سیاست مستحکم ہوگئی۔ بیشتر مسلم ممالک، یمن، حجاز، شام، فلسطین، مصر، سب امیر معاویہ کے زیر حکم آگئے۔ علی بن ابی طالب کی حکومت عراق اور ایران تک محدود ہوگئی۔ علی بن ابی طالب کی شہادت (۴۰ ھ) کے بعد امام حسن کی خلافت سے دست برداری نے ان کی مزید مدد کی اور ۲۰ سال (۴۰-۶۰ ھ) تک وہ پوری اسلامی دنیا پر بلانزاع حکومت کرتے رہے۔

امیر معاویہ کے بعد مسئلہ دوبارہ جاگ اٹھا۔ امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا تھا اور اس کی خلاف

؎ صحابہ کے باہمی اختلاف کو آج کل کے لوگوں کے اختلاف پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بہت اونچے لوگوں کا اختلاف تھا جو اختلاف کے وقت بھی اپنی اونچائی کو باقی رکھتے ہیں۔

اسحق بن راہویہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

سمع علی یوم الجمل ویوم الصفین رجلاً یغلو فی القول، فقال لا تقولوا الا خیرا۔ انما هم قوم زعموا انا بغینا علیهم، وزعمنا انهم بغوا علینا فقاتلناهم

ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، جلد ۳، صفحہ ۶۱

علی نے جنگ جمل وصفین کے بارے میں ایک شخص کو سنا کہ وہ سخت باتیں کر رہا ہے، آپ نے فرمایا، کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ دراصل انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ اس بنا پر ہم ان سے لڑ رہے ہیں۔

زبیر بن العوام جنگ جمل میں حضرت علی کے خلاف تھے۔ جنگ میں حضرت علی کو فتح ہوئی۔ حضرت زبیر اپنے گھوڑے کا منھ پھیر کر چل دیئے۔ بصرہ کے ایک شخص نے ان کا پیچھا کیا اور وادی السباع میں ان کو حالت نماز میں مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ حضرت علی کے پاس ان کی تلوار لے کر پہنچا اور دربان سے کہا کہ زبیر کے قاتل کے لئے اجازت حاصل کر۔ وہ سمجھتا تھا کہ علی اپنے حریف کے قتل کو سن کر خوش ہوں گے اور اس کو انعام دیں گے۔ مگر آپ نے فرمایا: ابن صفیہ (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی خوش خبری سنا دو۔

کے لئے بیعت لی تھی۔ لوگوں میں یہ احساس دبا ہوا تھا کہ امیر معاویہ نے انتخاب خلافت کے مسئلہ کو غیر شورائی طریق پر طے کرکے غلطی کی ہے۔ یزید کے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یزید اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ مسلم معاشرہ میں اس وقت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، حسین بن علی اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر جیسے جلیل القدر لوگ موجود تھے۔ چنانچہ ایک طبقہ نے یزید کی خلافت پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نئی تحریک کے دو خاص قائد تھے۔ ایک عبداللہ بن زبیر، دوسرے حسین بن علی۔

تاہم صحابہ کرام کی اکثریت اس معاملہ میں یا تو خاموش تھی یا لوگوں کو یہ نصیحت کر رہی تھی کہ یزید کی خلافت کو تسلیم کر لو تاکہ مزید قتل و خون نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ کی موت کی خبر آئی۔ لوگ ان کا تاثر جاننے کے لئے ان کے پاس جمع ہو گئے۔ اس موقع پر آپ نے جو باتیں کہیں، ان میں سے ایک یہ تھی۔

وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم

معاویہ کا لڑکا یزید ان کے لائق اہل خانہ میں سے ہے۔ لہٰذا تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت و بیعت اس کو دے دو

بلاذری، انساب الاشراف۔ یروشلم ۱۹۳۸، قسم ۲، صفحہ ۴

اسی طرح محمد بن حنفیہ نے یزید کے حق میں کلمہ خیر کہہ کر لوگوں کو اس کی بغاوت سے روکا۔ حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت میں حضرت بشیر رضؓ کے پاس گیا جو صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

یقولون انما یزید لیس بخیر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقول ذلک۔ ولکن لأن یجمع اللہ امۃ محمد احب الیّ من ان یفترق

لوگ کہتے ہیں کہ یزید امت محمدؐ میں سب سے بہتر نہیں ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔ لیکن امت محمدؐ کا اتحاد مجھے اس کے اختلاف کی نسبت زیادہ پسند ہے۔

الذہبی، تاریخ الاسلام، جلد ۲، صفحہ ۶۸

یہ نقطۂ نظر دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح ہدایت پر مبنی تھا کہ حکمرانوں سے سیاسی منازعت مت کرو۔ اور اپنے اصلاحی جذبہ کے اظہار کے لئے عمل کا دوسرا (غیر سیاسی) میدان تلاش کرو۔ مگر تعمیری نقطۂ نظر، سیاسی نقطۂ نظر کے مقابلہ میں، ہمیشہ کم لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بیشتر لوگ سیاسی معرکہ آرائی کی راہ پر چل پڑے اور نتیجہ میں امام حسین اور عبداللہ بن زبیر جیسے اعلیٰ صلاحیتوں کے انسان اور ان کے ساتھ بے شمار دوسرے مسلمان خود اپنے بھائیوں کی تلواروں سے ذبح ہو گئے۔ یزید کو جب معلوم ہوا کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ باغی ہو گئے ہیں تو اس نے حرمین پر بھی حملے کرائے۔ خانہ کعبہ کی دیواریں ڈھائی گئیں ــــــ ان تمام قربانیوں کے باوجود اصل مسئلہ بدستور اپنی جگہ باقی رہا۔ یزید کی حکومت کو موت کے فرشتہ کے سوا کوئی ختم نہ کر سکا۔

پہلی صدی ہجری کی ان خانہ جنگیوں کا ایک نقصان یہ ہوا کہ بڑے بڑے صحابہ جو رستم و اسفندیار کو زیر کرتے ہوئے سیلاب کی طرح اسلام کو آگے بڑھا رہے تھے، وہ اجتماعی زندگی سے الگ ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاص فاتح ایران شہروں سے دور چلے گئے جہاں وہ اونٹ اور بکریاں چراتے رہتے تھے۔ عبداللہ بن عمر جو اپنی خصوصیات کی بنا پر عمر ثانی

بن سکتے تھے، باہمی جھگڑوں سے دل برداشتہ ہوکر گوشہ گیر ہوگئے ۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم میدان جنگ سے ان حضرات کی واپسی محض منفی نوعیت کی نہ تھی۔ اس کا ایک مثبت پہلو بھی تھا۔ اب وہ تعلیم وارشاد کی سرگرمیوں میں لگ گئے۔ احادیث کی روایت کرنا، شریعت اسلام کی حقیقت سمجھانا اور سیرت نبوی سے لوگوں کو آگاہ کرنا اب ان کا مشغلہ تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ حدیث اور سیرت اور اسلامی تاریخ کا ذخیرہ جمع ہوا۔ میدان جنگ میں کارنامہ دکھانے والوں نے میدان درس میں اپنے لئے اسلامی خدمت کا کام تلاش کرلیا۔ ؎

یزید کی ولی عہدی

معاویہ بن ابی سفیان کا اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا زبردست اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تقرر نے اسلامی تاریخ میں صرف المیے کا اضافہ کیا ہے۔ تاہم محتاط مبصرین کی رائے ہے کہ معاویہ اپنے تقرر میں نیک نیت تھے۔ وہ دیانت داری کے ساتھ سمجھتے تھے کہ یزید تمام ممالک اسلامی میں خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہل ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک "معاویہ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا جو داعیہ پیدا ہوا، اس کی وجہ امت کے اتحاد واتفاق کی مصلحت تھی"۔ عبداللہ بن عمر نے جب اس تقرر پر اعتراض کیا تو معاویہ کا جواب یہ تھا:

انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ لیس لہا راع	مجھے خوف ہوا کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلہ کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۸۰)

اس طرح کی متعدد روایتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ معاویہ اپنے انتخاب میں مخلص تھے۔ حتیٰ کہ نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر انھوں نے دعا کی:

اللّٰھم ان کنت عھدت لیزید لما رأیت من فضلہ	اے اللہ اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت دیکھ کر ولی عہد

؎ جہاں تک حاکم اپنی ذمہ داری کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت سخت تنبیہات منقول ہیں:
مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ وَلِیَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْئًا لَمْ یَحْفَظْھُمْ بِمَا یَحْفَظُ بِہٖ نَفْسَہٗ وَاَھْلَہٗ اِلَّا لَمْ یَجِدْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ (المعجم الصغیر للطبرانی) میری امت میں جو کوئی بھی مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار ہو پھر وہ اس طرح ان کی حفاظت نہ کرے جس طرح وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہے تو وہ بہشت کی مہک بھی نہ پائے گا۔
یہ حکم امیر کے لئے ہے۔ مگر جہاں تک مامور کا تعلق ہے، اس کا فرض یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے امیر کی اطاعت کرے خواہ امیر اس کو پسند ہو یا ناپسند۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الجھادُ واجب علیکم مع کل امیر براً کان او فاجرا وان عمل الکبائر (ابو داؤد، مشکوٰۃ باب الامامۃ) امیر اچھا ہو یا برا، اور خواہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔ اس کے تحت جہاد کرنا مسلمانوں کے اوپر فرض ہے۔
مطلب یہ ہے کہ حکومتی ادارہ کی اصلاح کے نام پر محاذ نہ بناؤ۔ اس سے باہر دین کی اشاعت وتبلیغ کے جو مواقع ہیں، ان پر اپنی توتیں صرف کرو۔

فبلغه ما املت واعنه، وان كنت انما حملني حب الوالد لولده وانه ليس لما صنعت به اهلا فاقبضه قبل ان يبلغ ذلك

الذہبی، تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام جلد ۲ صفحہ ۲۶۷

بنایا ہے تو اسے اس مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اس کے لئے امید کی ہے۔ اور اس کی مدد فرما۔ اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے خلافت تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح کو قبض کرلے۔

تاہم یہ سوال باقی ہے کہ ایک ایسے شخص کو ممالک اسلامی کی خلافت کے لئے نامزد کرنے پر وہ کیسے مطمئن ہوگئے جس کے بارے میں اصحاب رسول میں سے صرف ایک بزرگ (مغیرہ بن شعبہ) کی حمایت انھیں حاصل تھی۔ بقیہ اصحاب؄ جو اس وقت ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے، یا تو اس تقرر کے خلاف تھے یا افتراق امت سے بچنے کے لئے انھوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ نیز یہ کہ خود معاویہ بن ابی سفیان مسلّمہ طور پر ایک انتہائی دور اندیش آدمی تھے۔ عمر فاروق رضؓ کے الفاظ میں، وہ غصہ کے وقت ہنسنے والے (من يضحك في الغضب) آدمی تھے۔ ٹھنڈے ذہن کے تحت فیصلہ کرنے کی صلاحیت ان میں حیرت انگیز حد تک پائی جاتی تھی۔ ایسے ایک مدبر نے ایک ایسی رائے کی صحت پر کیسے یقین کرلیا جس کی صحت و اصابت کی تصدیق بعد کی تاریخ نے نہیں کی۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے۔ ۴۱ھ میں جب حسن بن علی نے ایک عظیم سیاسی نزاع کو ختم کیا اور معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کرلی تو، اگرچہ امام حسن کی فرمائش کے طور پر نہیں تاہم بطور خود، امیر معاویہ نے عبداللہ بن عامر کے سامنے زبانی طور پر یہ اقرار کرلیا تھا کہ ان کے بعد امام حسن خلیفہ ہوں گے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

كان معاوية لما صالح الحسن عهد للحسن بالامر من بعده فلما مات الحسن قوى امر يزيد عند معاوية ورآى انه لذلك اهلا

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸ صفحہ ۸۰)

جب معاویہ نے حسن سے صلح کی تھی تو حسن کو اپنے بعد خلافت کا ولی عہد بنانا منظور کرلیا تھا۔ مگر جب حسن کی وفات ہوگئی تو یزید کی طرف معاویہ کا رجحان قوی ہوگیا۔ انھوں نے سمجھا کہ وہ خلافت کا اہل ہے۔

حسن بن علی نے معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو کر جو بے مثال قربانی دی تھی، اس کا یہ صرف ایک ادنیٰ صلہ تھا کہ وہ ان کے لائق بھائی حسین بن علی کے حق میں وعدۂ ولی عہدی کو پورا کردیتے۔ مگر یہ بات بھی معاویہ کے ذہن میں جگہ نہ پاسکی۔ اور انھوں نے پورے اصرار اور اہتمام کے ساتھ اپنے بیٹے یزید کو خلافت کے منصب کے لئے نامزد کردیا اور اس کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔

جہاں تک یزید کی نااہلی کا سوال ہے، اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ اس کے عہد حکومت میں حسین بن علی کو قتل کیا گیا۔ یہ نہ صرف ایک ظالمانہ فعل تھا، بلکہ سیاسی اعتبار سے مکمل طور پر ایک غیر مدبرانہ اقدام تھا۔ یزید کو ایک عظیم مملکت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے جاننا چاہئے تھا کہ رسول کے نواسے کو قتل کرنا لازماً اپنا ردعمل پیدا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حتی کہ اس سے نمٹنے کے لئے اس کو مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنا پڑا جس میں حرمین کے تقریباً دو ہزار مسلمان

مارے گئے۔ حسین کے خون کے بعد عامۃ المسلمین کے خون کو حلال کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہو گیا۔

دوسری بات جس سے یزید مکمل طور پر بے خبر رہا، وہ یہ کہ ایک شریف انسان سے مصالحت کا امکان آخر وقت تک ہوتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حسین نے اگرچہ مکہ سے نکلنے کے معاملہ میں اپنے بزرگوں اور دوستوں کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ یزید کو اس کے آخری انجام تک پہنچانے سے کم کسی بات پر راضی نہ تھے۔ تاہم کربلا پہنچ کر جب انھیں معلوم ہوا کہ کوفہ والوں کے جن خطوط پر انھوں نے اس حد تک بھروسہ کر لیا تھا کہ اپنے اہل و عیال سمیت گھر سے نکل پڑے تھے وہ محض دھوکا تھے۔ تو امام حسین نے طے کر لیا کہ سیاست کو یزید کے حوالے کر کے خاموش زندگی پر قانع ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ یزید و حسین کا قضیہ، کم از کم اپنے آخری مرحلہ میں، ٹھیک اسی نقطہ پر پہنچ چکا تھا جہاں معاویہ و حسن کا قضیہ پہنچا تھا۔ مگر معاویہ ایک جہاں دیدہ آدمی تھے۔ انھوں نے سادہ کاغذ پر اپنا دستخط اور مہر ثبت کر کے حسن بن علی کے پاس بھیج دیا کہ صلح کی جو شرائط چاہو اس پر لکھ دو ـــ اس کے برعکس حسین بن علی کی اسی قسم کی پیش کش پر یزید کے آدمیوں نے حسین کو قتل کر دیا۔ یزید اگرچہ میدان جنگ میں موجود نہ تھا۔ اس نے امام حسین کا سر دیکھ کر ان کے قتل پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ تاہم وہ اس جرم سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ کوئی صاحب اختیار اپنے گرد جو فضا بناتا ہے اسی کے مطابق اس کے ماتحت عمل کرتے ہیں۔

یزید کی ولی عہدی کا واقعہ بتاتا ہے کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ بھی آدمی کتنی بڑی غلطی کر سکتا ہے۔ آدمی عام طور پر اپنی پسند ناپسند سے مغلوب (OBSESSED) رہتا ہے۔ اس کے قریبی حالات اس کا جو مزاج بنا دیتے ہیں، بس اسی کے تحت وہ سوچنے لگتا ہے۔ اس کی فکر ایک قسم کی متاثر فکر CONDITIONED THINKING بن جاتی ہے۔ وہ نیک نیت ہو کر بھی غلط فیصلے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مشورہ کو بے حد اہمیت دی گئی ہے۔ مشورہ کے ذریعہ ایک کی غلطی دوسرے پر واضح ہوتی رہتی ہے۔ اور جہاں تک اجتماعی امور کا تعلق ہے، اس کے لئے تو مشورہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا جمعہ کی نماز کے لئے جماعت ـــــــ معاویہ بلاشبہ نیک نیت تھے۔ تاہم ان کا فیصلہ متاثر ذہن سے نکلا ہوا فیصلہ تھا جس میں ان حقائق کی رعایت شامل نہ تھی جو ان کے اپنے ذہن کے باہر انتہائی عریاں شکل میں پائے جا رہے تھے۔

الامر اسرع من ذلک (فیصلہ کی گھڑی زیادہ قریب ہے)

کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے یزید کو بلا کر کچھ نصیحتیں کیں۔ اس میں انھوں نے کہا: "بیٹے! میں نے تم کو پالان کسنے اور سفر کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ دشواریوں کو آسان، دشمنوں کو تابع اور عرب کی مغرور گردنوں کو مطیع بنا دیا ہے۔ میں نے تمھارے لئے وہ چیزیں فراہم کر دی ہیں جو اس سے پہلے کسی نے فراہم نہیں کیں۔ (محمد بن علی بن طباطبا، تاریخ الفخری)

آدمی پر جب کسی خیال کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ حقائق اس سے اوجھل ہو جاتے ہیں جو اس کے خلاف جا رہے ہوں۔ ایسا ہی امیر معاویہ کے ساتھ ہوا۔ وہ دو انتہائی سنگین حقیقتوں کو بھول گئے ایک یہ کہ اسلام میں خلیفہ کے

انتخاب کو شوریٰ کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ ایک حکمراں کا اپنے بیٹے کو خلیفہ نامزد کرنا اسلام کے مزاج کے خلاف ایک واقعہ ہوگا جو ضرور اپنا ردعمل پیدا کرے گا۔ اس طرح ان کے حریف بنو ہاشم کو اموی اقتدار کے خلاف اپنی تحریک کو زندہ کرنے کے لئے ایک نظریاتی بنیاد ہاتھ آجائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ امیر معاویہ کے دنیا سے جاتے ہی تمام اسلامی ممالک میں یزید کے خلاف شورش شروع ہوگئی۔ خلیفہ کی حیثیت سے اپنی عمر کا ایک دن بھی اس نے چین سے نہیں گزارا۔

دوسری اہم بات جس کو امیر معاویہ بھول گئے، وہ یہ کہ جس موت کے کنارے کھڑے ہو کر وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہے ہیں، ان کا بیٹا بھی بہت جلد وہیں پہنچنے والا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یزید بن معاویہ کو بمشکل ساڑھے تین سال حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد وہ مرگیا۔ یزید کے بعد امیر معاویہ کا پوتا معاویہ بن یزید بن معاویہ (۶۴-۳۹ھ) تخت نشین ہوا۔ مگر وہ صرف تین ماہ میں ختم ہوگیا۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد چار سال سے بھی کم مدت میں خلافت، معاویہ کے بیٹوں اور پوتوں سے نکل کر مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ (۶۵-۲ھ) کے گھرانے میں چلی گئی —

معاویہ اگر انسان کے اس غیر یقینی مستقبل کو دیکھ لیتے تو وہ شاید ایسا اقدام نہ کرتے جس نے مورخ کو یہ لکھنے کا موقع دیا کہ: "معاویہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت کو رواج دیا"۔

دوسری طرف غیر صالح حکمرانوں کو بے دخل کرنے کا علم بلند کرنے والوں کے لئے بھی اس واقعہ میں بہت بڑی نصیحت ہے —— آدمی اگر صبر کا طریقہ اختیار کرے اور اپنے اصلاحی عمل کو اپنے ممکن دائرہ میں محدود رکھے تو بہت جلد اس کو معلوم ہوگا کہ مالک کائنات زیادہ بہتر اور کامیاب طور پر اس واقعہ کو ظہور میں لانے کی تدبیر کر رہا ہے جس کو ہم اپنی بے صبری کی وجہ سے صرف ناکام طور پر وقوع میں لانا چاہتے ہیں۔

یہ مقالہ ایک تقریر پر مبنی ہے جو ۸ جنوری ۱۹۷۸ کو برہان پور (مدھیہ پردیش) میں حلقۂ نیرنگ خیال کے زیر اہتمام ایک اجتماع میں کی گئی۔

العراق اول قطر فی العالم

اتخذ من الرياضة اسلوبا للحياة

یہاں عنوان کی جگہ پر ہم ایک عربی اخبار کا تراشہ نقل کر رہے ہیں۔ یہ عراقی ہفتہ وار الریاضۃ والشباب (بغداد) سے لیا گیا ہے۔ عرب دنیا میں فن خطاطی ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوئی ہے۔ نئے نئے انداز کی خوبصورت تحریریں وجود میں آرہی ہیں۔ اوپر کا تراشہ اسی کا ایک سادہ سا نمونہ ہے۔

اسلام آیا تو مکہ اور مدینہ میں بمشکل ایک درجن آدمی لکھنا جانتے تھے۔ بدر کی لڑائی میں جو لوگ قید ہوئے، ان میں سے کچھ کتابت کا فن جانتے تھے۔ ان کے فدیہ کے لئے یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینہ کے دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دیں اس کے بعد وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ اس طرح مدینہ میں لکھنے والوں کی کثرت ہوگئی۔

تاہم کتابت کا فن اس وقت بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ عباسی دور میں، دوسرے فنون کی طرح، اس کو کافی ترقی ہوئی۔ نئے نئے ڈیزائن پیدا کرنے کی کوشش میں خط مرصع، خط نسخ اور خط ریاسی وجود میں آئے۔ خط ریاسی، اپنے موجد ذوالریاستین فضل بن سہل کی طرف منسوب ہے۔ اس زمانہ میں خط کوفی کی بیس سے زائد شکلیں بن گئی تھیں، تاہم یہ سارے خطوط ابتدائی صورت میں تھے، عربی خط کو حسین بنانے کا کام سب سے پہلے ابوعلی محمد بن مقلہ (م ۳۲۸ھ) نے کیا۔ اس کے بعد علی بن ہلال (م ۴۱۳ھ) آئے اور انھوں نے اس کی تہذیب و تحسین میں مزید اضافے کئے۔

عربی خط ارتقاء کے مراحل سے گزرتا رہا اور اس نے ایک مستقل آرٹ کی حیثیت اختیار کرلی۔ اب یہ خط اتنا دل آویز بن چکا تھا کہ بہت سی دوسری قومیں جب اسلام لائیں تو انھوں نے اپنی قومی زبانوں کے لئے اسی رسم خط کو پسند کرلیا۔ مثلاً ترکی، فارسی، افغانی، سندھی، اردو اور افریقہ کی مختلف زبانیں۔

جمالیاتی ذوق انسان کا ایک فطری ذوق ہے۔ یہ ذوق مصوری، مجسمہ سازی اور آرٹ کی دوسری صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، اسلام میں چونکہ آرٹ کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے، مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق نے اپنے اظہار کی دوسری صورتیں تلاش کرلیں، مثلاً تعمیرات، چمن بندی، وغیرہ۔

انھیں صورتوں میں سے ایک فن کتابت بھی ہے۔ کتابت کے فن کا چونکہ بہت گہرا تعلق قرآن و حدیث سے بھی تھا، اس لئے اس فن کی طرف مسلمانوں کی توجہ بہت زیادہ ہوئی۔ مسلمانوں میں بہت بڑے بڑے خطاط پیدا ہوئے جنھوں نے

اس فن کو اعلیٰ ترین جمالیاتی معیار پر پہنچا دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی خط کی تحسین کے لئے جتنی کوششیں مسلمانوں نے کیں، اتنی کسی بھی دوسرے رسم الخط کے لئے کسی قوم نے نہیں کیں۔ عربی خط آج دنیا کا حسین ترین خط سمجھا جاتا ہے۔

فنی اور تمدنی ترقیوں کا بہت گہرا تعلق اقتصادیات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ فن کتابت کی ترقیاں بھی اسی وقت تک جاری رہیں جب تک اقتصادیات کے سرے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے۔ اٹھارویں صدی میں مغلوں اور ترکوں کے زوال اور جدید صنعتی نظام کے ظہور نے مسلمانوں کو اقتصادیات میں پیچھے کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری سرگرمیوں کے ساتھ خط کی تحسین وترقی کا کام بھی رک گیا۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں پٹرول کی دولت کے ظہور نے، دوسری چیزوں کے ساتھ، فن کتابت کو بھی دوبارہ نئی ترقی کے مواقع دے دیئے ہیں، عرب ممالک میں ایسے خطاط پیدا ہو رہے ہیں جنھوں نے عربی خط کو ایک نئی زندگی عطا کردی ہے۔ عراق کا مجلہ "آفاق عربیہ" فن کتابت کی ان جدید ترقیوں کی ایک مثال ہے۔

یہاں یہ اضافہ غیر متعلق نہ ہوگا کہ جن زبانوں نے عربی رسم الخط کو اپنایا، وہ سب موجودہ زمانہ میں، اپنے حسب حال، اس کے ٹائپ کو بھی اختیار کر چکی ہیں۔ وہ عربی خط کے حسن کے ساتھ دورِ جدید کی مشینی خوبیوں کو جمع کر کے وقت کے ساتھ ترقی کر رہی ہیں۔ اس میں صرف ایک استثنا ہے۔ اور وہ اسی زبان کا ہے جس کے وارثوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی زبان اسی طرح تمام زبانوں میں افضل ہے جس طرح ان کا رسول تمام رسولوں میں ــــــ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ہماری زبان اردو ہے جس کے معنی لشکر کے ہوتے ہیں۔

ادبی استدلال

ضروری نہیں کہ حقیقت واقعہ بھی ادبی استدلال کے ساتھ موافقت کرے۔

شعرِ شاعری اور خطابت کے رواج نے ہماری ذہنی زندگی میں جو خرابیاں پیدا کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خالص حقیقت پسندانہ اور سائنٹفک اندازِ فکر ہمارے یہاں پیدا نہ ہوسکا۔ کتنے عالی دماغ لوگ اس قسم کے دلائل کے بھروسہ پر صدیوں جیتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کی خیالی دلیل خارجی حقیقت سے ٹکرائی تو معلوم ہوا کہ وہاں سرے سے کوئی دلیل ہی موجود نہ تھی۔

ملک خدا بخش مشہور مسلم قانون داں گزرے ہیں۔ وہ انگریزی ہندوستان میں ایڈوکیٹ جنرل تھے اور ۱۹۳۲ سے ۱۹۳۷ تک لیجسلیٹو کونسل میں حزب مخالف کے لیڈر رہے۔ انھوں نے برطانوی صحافی بیورلی نکلس سے ایک ملاقات کے دوران بڑی شدت کے ساتھ کہا تھا:

"ہندو اردو زبان کو ہٹا کر ہندوستانی کو اس کی جگہ بٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اردو بڑی سخت جان ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ لفظ "اردو" کیا معنی رکھتا ہے؟ اس لفظ کے معنی ہیں لشکر۔ گویا یہ ایک لشکر ہے جس پر ہندوستانی زبان کبھی فتح نہیں پاسکتی۔"

ورڈکٹ آن انڈیا (۱۹۴۴)

اس قسم کا استدلال صرف ادبی استدلال ہوتا ہے اور

اسلام، اکیسویں صدی میں

"ساتویں صدی عیسوی میں جب کہ اسلامی فوجیں عرب جزیرہ نما پر چھا گئیں تاکہ محمد کے پیغام کو پھیلائیں" نیوز ویک (۱۸ فروری ۱۹۷۴) نے اپنے ایک خصوصی مضمون میں لکھا تھا "اس کے بعد عربوں نے اپنی تاریخ میں پہلی بار اس قسم کی کامیابی حاصل کی ہے۔ کسی زمانہ میں اگر تمام سڑکیں روم کو جاتی تھیں تو آج تمام سڑکیں ریاض کو جا رہی ہیں، جہاں ہر روز مغربی قوموں کے نمائندے اتر رہے ہیں تاکہ وہ جدید دنیا کے قارون (شاہ فیصل ۱۹۰۶ - ۱۹۷۵) سے ملاقات کر سکیں"۔ عرب پٹرول کی طاقت کے بارے میں تفصیلات پیش کرتے ہوئے امریکی میگزین نے اپنا جائزہ اس جملہ پر ختم کیا تھا:

THE MOUNTAIN, AT LAST, IS COMING TO MOHAMMED.

اس جملہ کا پس منظر یہ ہے کہ صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد جب یورپ کی مسیحی قوموں نے "روحانی کروسیڈ" شروع کی، تو اس کا ایک جزء یہ تھا کہ پیغمبر اسلام کو "بناوٹی پیغمبر" ثابت کرنے کے لئے فرضی قصے گھڑے جائیں۔ انھیں میں سے ایک جھوٹی کہانی وہ تھی جو اتنی پھیلی کہ مغربی لٹریچر میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہو گئی۔ فرانسس بیکن (۱۵۶۱ - ۱۶۲۶) نے اپنے ایک مضمون جرأت (BOLDNESS) میں لکھا ہے۔ "ایک جری آدمی محمدؐ جیسے معجزے بار بار دکھا سکتا ہے۔ محمدؐ نے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ ایک پہاڑ کو اپنے پاس بلائیں گے اور وہ ان کے پاس آ جائے گا۔ لوگ اس معجزہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ محمد نے پہاڑ کو اپنے پاس آنے کے لئے کہا۔ وہ بار بار پکارتے رہے۔ جب پہاڑ بدستور اپنی جگہ کھڑا رہا تو وہ ذرا بھی نہ شرمائے۔ اب انھوں نے کہا: اگر پہاڑ محمد کے پاس نہیں آیا تو محمد تو پہاڑ کے پاس جا سکتا ہے۔"

آج کی دنیا میں تیزی سے ایک تبدیلی آ رہی ہے۔ اور اگر ہم گہرائی کے ساتھ دیکھ سکیں تو اس تبدیلی کا رخ اسی منزل کی طرف ہے جس کو امریکی میگزین نے لطیفہ کے طور پر ان لفظوں میں ظاہر کیا تھا۔ "پہاڑ بالآخر محمدؐ کی طرف آ رہا ہے"

حیگرانہ کھڑا کیا جائے:

اسلامی انقلاب کا معاملہ دندانے دار پہیہ (COG WHEEL) کا سا معاملہ ہے۔ خدا موافق حالات پیدا کر کے اپنے پہیہ کو نکالتا ہے تاکہ اس کے بندے اٹھیں اور اپنے پہیہ کو اس کے ساتھ ملا دیں۔ جب انسانوں کی کوئی جماعت اپنے آپ کو اس طرح خدائی اسکیم کے ساتھ شامل کر دے تو وہ چیز ظہور میں آتی ہے جس کو اسلامی انقلاب کہتے ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی کا اسلامی انقلاب اسی قسم کا ایک واقعہ تھا۔ عرب کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے ملکی اور بین اقوامی سطح پر موافق حالات پیدا کئے۔ اس وقت مہاجرین و انصار نے رسول کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو پوری طرح خدائی اسکیم

میں دے دیا۔ اس کا نتیجہ وہ عظیم الشان انقلاب تھا جس کے اثرات آج تک زمین پر باقی ہیں۔

یہ موافق حالات کیا تھے اور اصحاب رسول نے کس طرح اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا، اس کی تفصیل اس سے پہلے سامنے آ چکی ہے۔ یہاں ہم اس معاملہ کے صرف ایک پہلو کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو انتہائی اہم ہے۔ اور اکثر حالات میں فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی بے موقع جھگڑا (خاص طور پر سیاسی جھگڑا) کھڑا کر کے ایسی نزاکت پیدا نہ کی جائے جس سے سارا بنا ہوا کھیل بگڑ جائے۔

اسلامی تاریخ میں ۱۱ھ اسی قسم کا ایک نازک لمحہ تھا۔ پیغمبر کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا سوال ہوا تو انصار (اہل مدینہ) نے مطالبہ کیا کہ ان کے سردار (سعد بن عبادہ) کو خلیفہ بنایا جائے۔ انصار نے سارے عرب کی دشمنی مول لے کر اسلام کے لٹے ہوئے قافلہ کو پناہ دی تھی۔ اپنی اقتصادیات کو اسلام کی راہ میں برباد کیا تھا۔ اسلام کی خاطر ان کی عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم ہو گئے تھے۔ فطری طور پر وہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ خلافت ان کے سپرد کی جائے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا دوسرا گروہ (مہاجرین) اس معاملہ میں ان کا ساتھ نہیں دے رہا ہے تو انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ خلافت کو دونوں گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک امیر انصار میں سے۔ (منا امیر و منکم امیر)

یہ ایک نہایت نازک صورت حال تھی۔ یہ سیاسی اختلاف اگر باقی رہتا تو مہاجرین اور انصار کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف نکل پڑتیں اور اسلام کی تاریخ ہجرت کے گیارھویں سال ہی عرب کے ایک قصبہ (یثرب) میں ختم ہو جاتی۔ جب جھگڑا بڑھا تو ابوبکر صدیق رض کھڑے ہوئے۔ آپ نے ایک تقریر کی جس میں مسئلہ کے نازک پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ عرب کے حالات میں قریش کی امارت کے سوا کوئی اور امارت قابل عمل نہیں ہے:

ولن تعرف العرب هذا الامر الا لهذا الحی من قریش	قبیلہ قریش کے سوا کسی اور کی امارت کو عرب کے لوگ نہیں جانتے۔

تہذیب سیرۃ ابن ہشام: قاہرہ ۱۳۷۴ھ، جزء ثانی، صفحہ ۱۵۹

اس عملی نزاکت کو تسلیم کرتے ہوئے انصار نے اپنے مطالبہ کو واپس لے لیا۔ وہ سیاسی عہدہ کو مہاجرین کے حوالے کر کے "محکومی" پر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد آخر تک خلافت کے معاملہ کے لئے ان کی طرف سے کوئی شورش نہیں ہوئی۔ ان کے پورے گروہ میں صرف ایک شخص (سعد بن عبادہ) اس احساس کو اپنے دل سے نکال نہ سکے۔ حتیٰ کہ انھوں نے خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔ مگر انھوں نے بھی احتجاج اور مطالبہ کی کوئی مہم نہیں چلائی۔ وہ اپنے اس احساس کو لئے ہوئے مدینہ سے شام چلے گئے اور وہیں خاموش زندگی گزار کر مر گئے۔

انصار کا یہ سیاسی ایثار واحد سب سے بڑا عامل ہے جس نے اسلام کو مقامی دائرہ سے نکال کر ایک عالمی واقعہ بنا دیا۔ خلافت کو اگر وہ "جمہوری" بنانے پر اصرار کرتے تو کبھی یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی۔

بیسویں صدی اسلام کی صدی تھی، جس طرح ساتویں صدی اسلام کی صدی بنی۔ اللہ نے دوبارہ انتہائی اعلیٰ درجہ کے موافق حالات پیدا کر دیئے تھے۔ مگر پوری صدی مسلمانوں نے لاحاصل قسم کے سیاسی جھگڑوں میں

گزار دی۔ کوئی گروہ حتیٰ کہ کوئی قابل ذکر فرد بھی نہ اٹھا جو اللہ کے منصوبہ میں اپنے کو شامل کرے۔ اب ہم صدی کے آخر میں ہیں اور خدا بدستور تمام مواقع کو لئے ہوئے اپنے بندوں کے انتظار میں ہے جو اس کے پہیہ کے ساتھ اپنا پہیہ جوڑ دیں۔ اسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے پر مستقبل کا انحصار ہے۔ اگر آج ایسا ہو گیا تو اکیسویں صدی انشاء اللہ اسلام کی صدی ہوگی۔ اور اگر انسانوں میں ایسے لوگ نہ نکلیں تو عجب نہیں کہ خدا اس کے بعد انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو اٹھائے اور اس کو حکم دے کہ وہ بول کر امر الٰہی کا اعلان کرے۔ مگر اس میں ہمارے لئے خوشی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کا کام جب غیر انسان انجام دینے لگیں تو یہ خدا کی طرف سے انسان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار ہے۔ جب خدا کی آواز بلند کرنے کے لئے انسانوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں، اس وقت دابۃ (نمل - ۸۲) زمین سے نکل کر امر حق کا اعلان کرتا ہے۔ مگر جب دابۃ ارضی کی زبان سے خدا اپنا اعلان کرانے لگے تو یہ خوشی کا نہیں غم کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد زمین و آسمان کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے۔ انسان سے زمین کا سرسبز و شاداب کرہ چھین لیا جاتا ہے اور اس کو دھوئیں اور آگ کی دنیا کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے، جہاں وہ ابدی طور پر " روتا اور دانت پیستا " رہے۔

مغلوبیت کا خاتمہ

دو سو سالہ صلیبی لڑائیوں (۱۲۷۱ - ۱۰۹۶) میں ناکامی کے بعد مغرب کی مسیحی قوموں نے اسلامی دنیا کے خلاف روحانی جنگ (SPRITUAL CRUSADES) کا جو طریقہ نکالا، اس نے انھیں نئی کامیابیوں سے ہم کنار کیا۔ مسلم اسپین میں علمی تحقیق کا جو کام ہو رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے یورپ منتقل ہو گیا۔ اور بالآخر سائنسی اور صنعتی انقلاب کا سبب بنا۔ مغربی قوموں نے جدید علمی اور عملی قوتوں سے مسلح ہو کر سارے عالم اسلام پر قبضہ کر لیا۔

۱۷۹۹ میں ایک طرف ترکوں کے بیڑے کا غرق ہونا اور دوسری طرف ٹیپو سلطان کی شہادت، اس تبدیلی کا آخری نقطہ تھا جب کہ مغربی قوموں کا غلبہ اپنے کامل درجہ پر پہنچ گیا۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے خود سائنسی انقلاب کے اندر ایسے عوامل پیدا کر دیئے جو مغربی قوموں کے خلاف کام کرنے لگے۔

اس کا سب سے پہلا مظاہرہ جدید استشراق کا وجود میں آنا ہے جو ٹامس کارلائل (۱۸۸۱ - ۱۷۹۵) سے شروع ہوا۔ سائنسی طرز فکر نے اس مقدس فریب (PIOUS FRAUD) کو بے معنی ثابت کر دیا جس نے حقائق کو بگاڑنے اور جھوٹے واقعات گھڑنے کو سند جواز عطا کر رکھا تھا۔ اس طرح سائنس کے ظہور نے وہ ذہنی زمین ہی ختم کر دی جس پر قدیم طرز کا استشراق وجود میں آتا تھا۔

پھر انھیں جدید علوم کے بطن سے نیشنلزم اور ڈیموکریسی جیسے نظریات برآمد ہوئے جنھوں نے نوآبادیاتی نظام کو فکری حیثیت سے بے بنیاد ثابت کر دیا۔ قومی اقتدار اور عوامی حکومت کے تصورات خود مغرب سے درآمد ہو کر ان مشرقی مقبوضات میں پہنچے اور آزادی کی تحریکوں کے لئے نظریاتی ہتھیار بن گئے۔ اس کے بعد صنعتی نظام کی پیدا کردہ

دو عالمی جنگوں نے مغربی قوموں سے طاقت کی منطق بھی چھین لی۔ اس طرح وہ حالات پیدا ہوئے جن میں ایشیا اور افریقہ کے تمام محکوم ممالک مغرب کے سیاسی غلبہ سے آزاد ہوتے چلے گئے۔

اس سلسلے کا آخری واقعہ عرب پٹرول کا ظہور ہے۔ اس نے مغربی قوموں سے اقتصادی برتری کی حیثیت بھی چھین لی جو آخری طور پر ان کے پاس باقی رہ گئی تھی۔ پٹرول کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلم ملکوں کی صنعتی پس ماندگی کی تلافی اتنی عالی شان سطح پر کی ہے کہ اب خود صنعتی ممالک ان کے مقابلہ میں دفاع کی پوزیشن میں چلے گئے ہیں۔

اسلام کی اعتباریت (CREDIBILITY)

دوسری اہم چیز جو موجودہ زمانہ میں وقوع میں آئی ہے، وہ ایسے علمی حالات ہیں جنھوں نے حیرت انگیز طور پر اسلام کی اعتباریت ثابت کر دی ہے۔ اس کا ایک پہلو تاریخی اعتباریت (HISTORICAL CREDIBILITY) ہے۔ جدید دور میں مختلف مذاہب کا مطالعہ خالص مورخانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا ہے کہ تمام مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تاریخی طور پر معتبر ثابت ہوتا ہے۔ باقی تمام مذاہب، خالص تاریخی اعتبار سے، روایتی افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ مسیحیت، اسلام کے ماسوا، سب سے قریبی دور کا مذہب ہے۔ مگر اس کا حال یہ ہے کہ اناجیل کے باہر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ حضرت مسیح، ہمارے ایمان کے مطابق، بلاشبہ اللہ کے رسول تھے۔ مگر جہاں تک مدون تاریخ کا تعلق ہے، آپ کی زندگی کے بارے میں ایسے کافی شواہد موجود نہیں ہیں جو معروف تصور کے مطابق آپ کو ایک "تاریخی شخصیت" کا مقام دے سکیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر سے لے کر بیسویں صدی کے شروع تک بہت سے محققین سرے سے مسیح کے وجود ہی کے منکر تھے۔ کیوں کہ انجیل کے علاوہ، جس کا استناد خود مشتبہ ہے، حضرت مسیح کی معاصر تاریخ میں آپ کا کوئی ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ تاہم موجودہ صدی کے نصف آخر میں چند ایسے قدیم ماخذ تلاش کر لئے گئے ہیں جن میں مسیح کے نام کا حوالہ، اگرچہ مبہم اور مجمل شکل میں، موجود ہے۔ مگر وہ اتنا ناکافی ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۷۷) کے مقالہ نگار کو کہنا پڑا:

IT IS DIFFICULT TO WRITE WITH CERTAINTY AN AUTHENTIC LIFE OF JESUS. (Vol. 10, p. 145)

مسیح کے مستند حالات تیقن کے ساتھ لکھنا ایک مشکل کام ہے۔

تاہم جہاں تک پیغمبر اسلام کا تعلق ہے، آپ کی زندگی کے بارے میں جب کوئی شخص لکھتا ہے تو اس کو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے:

(MOHAMMAD WAS) BORN WITHIN THE FULL LIGHT OF HISTORY
The Encyclopedia Americana (1961) Vol., 19, p. 292

محمد تاریخ کی مکمل روشنی میں پیدا ہوئے۔

دوسرا اہم پہلو وہ ہے جس کو علمی اعتباریت (SCIENTIFIC CREDIBILITY) کہہ سکتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں جو علمی حقائق دریافت ہوئے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر جب مذاہب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو، اسلام کے سوا، ہر مذہب میں ان کے ساتھ اتنی عدم مطابقت پائی جاتی ہے کہ ان مذاہب کی علمی صداقت پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر میں صرف ایک حوالہ نقل کروں گا۔

ایک امریکی سائنس داں والٹر آسکر لنڈبرگ (WALTER OSCAR LUNDBERG) نے اس پہلو کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ایک سائنس داں، دوسروں کے مقابلہ میں، ایک خصوصی موقع (SPECIAL ADVANTAGE) اس بات کا رکھتا ہے کہ وہ خدا کی سچائی کو سمجھ سکے۔ وہ اساسی اصول جس پر اس کے کام کی بنیاد ہے، وہ دراصل خدا کے وجود کا ایک اظہار (AN EXPRESSION OF GOD'S EXISTANCE) ہے"۔ اس کے باوجود سائنس کی تعلیم کے بعد کیوں لوگ خدا کے منکر ہو جاتے ہیں، امریکی پروفیسر کے نزدیک، دو میں سے ایک خاص سبب اس کا یہ ہے:

IN ORGANIZED CHRISTIANITY, THERE IS INSTILLED DEEPLY IN YOUNG PEOPLE A CONCEPT OF GOD CREATED IN THE IMAGE OF MAN, RATHER THAN OF MAN CREATED IN THE IMAGE OF GOD. WHEN SUCH MINDS ARE LATER TRAINED IN SCIENCE, THIS REVERSED AND LIMITING ANTHROPOMORPHIC CONCEPT GRADUALLY BECOMES MORE AND MORE INCOMPATIBLE WITH THE RATIONAL, INDUCTIVE ATTITUDE OF SCIENCE, ULTIMATELY, WHEN ALL ATTEMPTS AT RECONCILIATION FAIL, THE CONCEPT OF GOD MAY BE ABANDONED ENTIRELY.

The Evidence of God in an Expanding Universe
Edited by John Clover Monsma,
Pocket books Distributing Co.,
Bombay, 1 968, p. 56

ترجمہ: عیسائیت کے نظام میں نوجوان لوگوں میں نہایت گہرائی سے ایک ایسے خدا کا تصور بٹھایا گیا ہے جو انسان کی صورت میں ظاہر ہوا، بمقابلہ اس کے کہ ایسے انسان کا تصور بٹھایا جائے جو خدا کی صورت میں پیدا کیا گیا ہو۔ اس طرح کے ذہن بعد کو جب سائنس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو یہ الٹا اور محدود انسانی تصور خدا تدریجی طور پر سائنس کے عقلی اور استقرائی نقطۂ نظر سے زیادہ سے زیادہ غیر مطابق نظر آنے لگتا ہے۔ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ جب روایتی عقیدہ اور سائنس کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں تو وہ خدا کا تصور بالکل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

مگر اسلام کا معاملہ مکمل طور پر ایک مستثنیٰ معاملہ ہے۔ اس کی تعلیمات تمام ثابت شدہ حقائق کے مطابق ہیں اور علمی جانچ میں پوری اترتی ہیں۔ حتیٰ کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جدید علم پورا کا پورا اسلام کا علم کلام ہے۔ یہ واقعہ، علمی حیثیت سے، اسلام کا قابل اعتبار ہونا ثابت کرتا ہے۔ اگر اسلام کسی غیر معتبر ماخذ سے نکلا ہوا ہوتا، یا دوسرے قدیم مذہبوں کی طرح اس میں انسانی ملاوٹ شامل ہو گئی ہوتی تو ناممکن تھا کہ وہ جدید حقائق کے مقابلہ میں ٹھہر سکے۔

جدید مواقع

موجودہ زمانہ میں دو چیزیں بیک وقت وجود میں آئی ہیں۔ ایک، اظہار رائے کی آزادی۔ دوسرے، ذرائع ابلاغ کی ترقی۔ موجودہ زمانہ میں ایک طرف، کم ازکم غیر کمیونسٹ دنیا میں، اظہار رائے کے حق کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کر لیا گیا ہے جس کو کسی طرح چھینا نہیں جا سکتا۔ ہندستان میں ایمرجنسی کے زمانہ (جون ۱۹۷۵ تا مارچ ۱۹۷۷) میں اظہار رائے کے حق کو سلب کر لیا گیا تھا۔ مگر اس کے خلاف اتنا زبردست طوفان اٹھا کہ پابندیاں عائد کرنے والی حکومت پہلے ہی الکشن میں تنکے کی طرح بہہ گئی۔

اسی کے ساتھ دوسری چیز جو وجود میں آئی، وہ پریس ہے۔ پریس کی ترقی نے موجودہ زمانہ میں اس کو ممکن بنا دیا ہے کہ کسی خیال کو نہایت تیزی سے انسانی آبادی میں پھیلایا جا سکے۔ حضرت مسیح دو ہزار برس پہلے فلسطین کی ایک بستی (ناصرہ) میں آئے۔ وہ ایک عظیم انسان اور عظیم پیغمبر تھے۔ مگر ان کی آواز مقامی آبادی سے باہر بمشکل کسی شخص تک پہنچ سکی۔ آج کوئی بھی شخص جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے بیک وقت اپنی آواز ساری دنیا میں پہنچا سکتا ہے۔

ان امکانات نے ہمارے لئے مواقع کار کا نیا میدان کھول دیا ہے۔ اگر حکمرانوں سے سیاسی رقابت پیدا کرنے کی غلطی نہ کی جائے تو آج بلا روک ٹوک اسلام کی دعوت واشاعت کا کام کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف جدید ذرائع نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ تمام دنیا کو بیک وقت اسلام کا مخاطب بنایا جا سکے اور خدا کی آواز خدا کی زمین کے گوشے گوشے میں اس طرح پہنچا دی جائے کہ کوئی کان نہ رہے جس نے اس کو سنا نہ ہو۔ کوئی آنکھ نہ ہو جس نے اس کو دیکھا نہ ہو۔

فکری زمین

موجودہ زمانہ میں جو لوگ اسلام کے سیاسی انقلاب کا نعرہ لے کر اٹھے، نیت کے اعتبار سے خواہ وہ کتنے ہی مخلص ہوں، عملاً ان کی تحریک نے اصل معاملہ کو صرف بگاڑنے کا کام انجام دیا ہے۔ سیاسی انقلاب ہمیشہ فکری زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے حق میں یہ فکری زمین، کم ازکم امکانی طور پر، پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ اب ان کا کام یہ تھا کہ اپنے عمل کے ذریعہ ان فکری امکانات کو بروئے کار آنے کا موقع دیتے۔ مگر انھوں نے غیر ضروری قسم کے سیاسی جھگڑے چھیڑ کر اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ یہ کہنا بمشکل مبالغہ ہوگا کہ بیسویں صدی کی اسلامی سیاسی تحریکیں اگر وجود میں نہ آئی ہوتیں تو اسلام کے سیاسی امکانات آج کہیں زیادہ روشن ہوتے۔

اس معاملہ کو ہندستان کی آزادی کی تحریک کی مثال سے سمجھئے۔

قدیم دنیا میں سیاست وحکومت "شاہی محل" کا معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ جو شخص بھی طاقت کے زور پر شاہی

محل پر قابض ہو جائے، وہ ملک کا جائز حکمراں بن جاتا تھا۔ یہ حالات تھے جس میں انگریز اس ملک میں داخل ہوئے۔ صنعتی انقلاب نے ان کی مدد کی۔ جس طرح ۱۵۲۶ میں بابر نے اپنے توپ خانہ کے ذریعہ کامیابی حاصل کی تھی، انگریز نے ۱۸۵۷ میں مشینی طاقت سے مسلح ہو کر ہندستان کے اقتدار پر اپنے قبضہ کو مکمل کر لیا۔

مگر جس سائنس نے انگریزوں کو مادی طاقت دی تھی، اسی سائنس کے بطن سے وہ سماجی اور سیاسی علوم پیدا ہوئے جنھوں نے قدیم فکری زمین کو بدلنا شروع کیا۔ ان علوم نے جمہوریت کا تصور پیدا کیا جس کے بعد شاہی حکمرانی ایک بے دلیل چیز بن کر رہ گئی۔ انھوں نے نیشنلزم کو ترقی دی جس نے کسی ملک کے لئے اس حق کا خاتمہ کر دیا کہ وہ دوسرے ملک کے اوپر حکومت کرے، اس طرح ہندستان کے مغربی حکمراں، خود اپنے ہی پیدا کردہ افکار کے نتیجہ میں، بیسویں صدی میں اس فضا سے محروم ہو گئے جس نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ان کو اپنے نوآبادیاتی نظام کے لئے موافق فکری زمین فراہم کی تھی۔

تاہم موجودہ صدی کے نصف اول میں ہندستان میں جو لوگ سیاسی آزادی کا نعرہ لے کر اٹھے، وہ اس فکری زمین کو اپنے حق میں استعمال کرنے میں ناکام رہے۔ ایک طرف سبھاش چندر بوس (۱۹۴۵ -) اور دوسری طرف محمود حسن دیوبندی (۱۹۲۰ - ۱۸۵۱) جیسے ہزاروں لوگوں نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ مگر ہندستان کو آزاد بنانے کے لئے ان کی کوششیں مکمل طور پر ناکام رہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انگریز کو اسلحہ کے میدان میں چیلنج کر رہے تھے۔ اور اسلحہ کا میدان وہ تھا جہاں ان کا حریف اب بھی ان کے اوپر فیصلہ کن حد تک فوقیت رکھتا تھا۔

مہاتما گاندھی (۱۹۴۸ - ۱۸۶۹) پہلے شخص ہیں جنھوں نے حالات کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا اور اس راز کو سمجھا کہ حصول آزادی کے لئے ہمارا طریق عمل بالکل الٹا نتیجہ پیدا کر رہا ہے۔ ان کے مغربیات کے مطالعہ نے انھیں بتایا کہ دنیا کی سیاسی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہو گئی ہے۔ انگریز اس فکری زمین سے محروم ہو چکا ہے جو اب تک اس کو ہندستان میں حکمرانی کا حق دیئے ہوئے تھا۔ تاہم ہمارا متشددانہ طریق کار اس کو بروئے کار لانے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ مسلح تصادم کے ذریعہ پیدا شدہ غیر ضروری مسائل کو ختم کر دیا جائے تو اس کے بعد خود بخود جمہوریت اور نیشنلزم کے فکری عوامل ابھر آئیں گے اور انگریز کو سیاسی طور پر بے جگہ بنا دیں گے۔

مہاتما گاندھی ۱۹ــــلـه میں بال گنگا دھر تلک   کو شکست دے کر آل انڈیا کانگرس کے لیڈر بن گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اعلان کیا کہ ہندستان کی آزادی کی تحریک ہنسا (تشدد) کے بجائے اہنسا (عدم تشدد) کی بنیاد پر چلائی جائے گی۔ یہ اعلان انگریز کے لئے پچھلی دہشت پسند تحریکوں سے زیادہ سخت ثابت ہوا۔ تشدد کو تشدد کے ذریعہ ختم کرنے کا ان کے پاس کافی وجہ جواز تھا۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ عدم تشدد کے اصول پر اٹھنے والے طوفان کا مقابلہ کس طرح کریں۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ صورت حال سامنے آئی تو ایک انگریز کلکٹر نے سکریٹریٹ کو تار دیا:

KINDLY WIRE INSTRUCTIONS HOW TO
KILL A TIGER NON-VIOLENTLY.

برائے مہربانی بذریعہ تار ہدایات دیجئے کہ ایک شیر کو تشدد کے بغیر کس طرح ہلاک کیا جائے۔

تشدد اور مار دھاڑ کا ماحول ختم ہوتے ہی فکری عوامل اپنا کام کرنے لگے۔ نیشنلزم اور جمہوریت کے عصری نظریات نے انگریز کو اس کی سیاسی زمین سے بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ انگریز کو اس ملک سے رخصت ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ تشدد کے محاذ پر ہاری ہوئی جنگ، عدم تشدد کے محاذ پر جیت لی گئی۔

ایسی ہی کچھ صورت حال آج اسلام کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ اسلام کے احیاء کے لئے ہر ملک میں سیاسی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہر ملک میں اسلام سیاسی حکمرانوں کا حریف بنا ہوا ہے۔ اسلام اور حکمرانوں کے تصادم کی وجہ سے وہ موافق امکانات بروئے کار نہیں آ رہے ہیں جو زمانہ کی گردش سے اسلام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام کو اگر سیاسی حریف کے مقام سے ہٹا دیا جائے تو اچانک تمام مصنوعی رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ مسلمانوں کی قوتیں مثبت پہلوؤں سے اسلام کی خدمت کرنے میں لگ جائیں گی۔ عصری امکانات اسلام کے حق میں موافق فضا بنانا شروع کر دیں گے اور پھر بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ میدان مقابلہ سے واپسی ہی میں پہلے بھی "فتح مبین" تھی اور آج بھی اسی میں فتح مبین کا راز چھپا ہوا ہے۔

الٹی سمت میں

ایک لطیفہ ہے کہ دہلی میں ایک مسافر کناٹ پلیس کی سڑک پر چل رہا تھا۔ اس کو پارلیمنٹ ہاؤس جانا تھا۔ مگر اس کا رخ الٹی طرف تھا۔ اس نے راستہ میں ایک شخص سے پوچھا: "پارلیمنٹ ہاؤس یہاں سے کتنی دور ہوگا" جواب دینے والے نے کہا "تقریباً ۲۵ ہزار میل"۔ مسافر یہ سن کر گھبرا گیا۔ "جناب میں آپ سے راستہ پوچھ رہا ہوں اور آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں"۔ اس نے کہا: معاف کیجئے گا۔ میں نے مذاق نہیں کیا۔ اصل میں آپ پارلیمنٹ ہاؤس کے الٹی طرف چل رہے ہیں۔ اس لئے اگر آپ یوں ہی چلتے رہے تو زمین کا پورا چکر کرنے کے بعد ہی آپ اپنی منزل پر پہنچ سکیں گے جس کی گولائی ۲۵ ہزار میل ہے۔" یہ بات بھی اس وقت ہے جب کہ آپ عرض البلد کے ٹھیک اس خط پر چل رہے ہوں جس پر پارلیمنٹ ہاؤس واقع ہے۔ اگر آپ کچھ دائیں بائیں ہو گئے تو زمین کا بار بار چکر کرنے کے بعد بھی آپ اپنی منزل کو پانے سے محروم رہیں گے۔"

پارلیمنٹ ہاؤس کا کوئی مسافر اس قسم کی غلطی نہیں کرے گا۔ کیونکہ لوگ اپنے دنیوی معاملات میں اتنے نادان نہیں ہوتے کہ اپنی غلطی واضح ہونے کے بعد بھی بدستور الٹی راہ پر چلتے رہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ آخرت کے شدید تر معاملہ میں بیشتر لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ واضح کرنے والے ان کی غلطیاں واضح کرتے ہیں۔ ان کا دل بھی گواہی دیتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ مگر شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ اس کو عزت کا سوال بنا لیتے ہیں۔ "اگر میں نے اس کے کہنے سے اپنی غلطی مان لی تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا"۔ یہ احساس ان کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ وہ بدستور غلط راستہ پر چلتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ تباہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔

چند واقعات

۱۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نہایت خوبصورت اور وجیہہ شخص تھا۔ ایک روز اس نے سبز جوڑا پہنا اور سبز عمامہ باندھا۔ پھر اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھ کر بولا "میں ایک جوان بادشاہ ہوں" اتنے میں اس کی ایک کنیز اس کی طرف دیکھنے لگی۔ سلیمان نے پوچھا تو کیا دیکھ رہی ہے۔ اس نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

انت نعم المتاع لو کنت تبقی

غیر ان لابقاء للانسان

لیس فیما علمتہ فیک عیب

کان فی الناس غیر انک فان

ترجمہ: تو بہترین سرمایہ ہے، کاش تجھے بقا نصیب ہوتی، مگر انسان کے لئے بقا نہیں

جہاں تک مجھے علم ہے، تجھ میں کوئی عیب نہیں جو لوگوں میں پایا جاتا ہو، بجز اس کے کہ تو فانی ہے۔

اس واقعہ پر ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سلیمان کا انتقال ہوگیا۔ یہ واقعہ ۱۰ صفر ۹۹ھ کا ہے۔ اس نے تقریباً پونے تین سال حکومت کی اور ۴۵ سال کی عمر پائی۔

۲۔ مصر کے فرعون (TUTANKHAMEN) کا مقبرہ ۱۹۲۳ء میں کھولا گیا۔ مصری علوم کے ماہر لارڈ کارنارون (CARNARVON) مقبرہ کے اندر داخل ہوئے تو فوراً بیمار پڑ گئے، اور چند ہفتے کے اندر مر گئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد آرتھر میس (ARTHUR MACE) اور جارج بینیڈائٹ (GEORGE BENEDITE) مقبرہ میں گئے، وہ دونوں بھی چند دنوں بعد اچانک مر گئے۔ یہ واقعہ جب عوام میں مشہور ہوا تو انھوں نے کہا کہ یہ لوگ فرعون کی لعنت سے ہلاک ہوئے۔ (بعد کو ڈاکٹر جارج ڈین نے مقبرہ میں تین مہینے تک کام کیا۔ انھوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ ہزاروں برس سے ابابیلیں اس مقبرہ کو اپنا گھونسلا بنائے ہوئے تھیں۔ ان کے بیٹ کی بدبو سے مقبرہ بھر گیا تھا۔ مذکورہ افراد اس سخت بدبو میں سانس لینے کی وجہ سے ہلاک ہوئے)

۳۔ کرنل اسٹافن برگ (STAUFFENBERG)، نے ہٹلر کے خلاف نہایت کامیاب منصوبہ بنایا تھا۔ جولائی ۱۹۴۴ میں اس نے ایک بریف کیس میں ایک ٹائم بم رکھ کر ہٹلر کے کیمپ ہیڈ کوارٹر میں پہنچا دیا۔ اگر بر وقت یہ بم پھٹ گیا ہوتا تو برلن میں مقیم تھوڑے سے جرمن فوجی افسر ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیتے اور نازی لیڈر کے خاتمہ کا

اس قسم کے واقعات بزرگی کا ثبوت نہیں

سکھ دیو پرشاد بسمل الہ آبادی (۱۸۹۳ - ۱۹۷۵) اردو کے شاعر تھے۔ ۲۳ نومبر کو انھوں نے ایک غزل لکھی جس کا شعر تھا:

بسمل آیا ہے اکیلا بسمل جائے گا اکیلا

اگلے روز ۲۴ نومبر ۱۹۷۵ کو ان کا انتقال ہوگیا۔

اعلان کر کے جرمنی کی حکومت پر قبضہ کر لیتے۔ مگر ٹائم بم اس وقت پھٹا جب کہ ہٹلر کیمپ سے باہر آچکا تھا۔

۴۔ ۱۹۴۷ میں کشمیر کے وزیر اعظم مسٹر مہر چند مہاجن تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب " لوکنگ بیک" (LOOKING BACK) میں الحاق کی کہانی بتاتے ہوئے لکھا ہے: پاکستان کا ایک منصوبہ یہ تھا کہ مہاراجہ کشمیر کو اور مجھ کو اغوا کر لیا جائے اور سنگین کی نوک پر ہم سے الحاق کے مسودہ پر جبری دستخط کرالئے جائیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ ہم کو بھیم بر کے ڈاک بنگلہ میں اس وقت گرفتار کر لیا جائے جب کہ ہم وہاں لنچ کھا رہے ہوں۔ بھیم بر بالکل پاکستان کی سرحد پر ہے اور کشمیر کو جانے والی مشہور مغل روڈ پر واقع ہے۔ اس روڈ کے ایک طرف کشمیر ہے اور دوسری طرف پاکستان۔ ہم نے طے کیا تھا کہ ہم ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ کو کٹھوعہ کا دورہ کریں گے اور ۲۱ کو بھیم بر اور میرپور کی طرف جائیں گے۔ پاکستان کے لوگوں نے ایک ہتھیار بند موٹر تیار کر رکھی تھی جو ۲۱ کو ہماری گرفتاری کے لئے بھیم بر پہنچنے والی تھی۔ مگر واقعات کی ایک غیر متوقع کروٹ نے ہم کو بچالیا۔ ۲۰ اکتوبر کی صبح کو جب ہم کٹھوعہ کے لئے روانہ ہوئے اور ایک چورستہ پر پہنچے، جہاں سے ایک سڑک کٹھوعہ کی طرف اور دوسری اکھنور اور بھیم بر کی طرف جاتی تھی، مہاراجہ نے اچانک جیپ ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ کٹھوعہ کے بجائے گاڑی کو بھیم بر کی طرف موڑ دے۔ میں نے عرض کیا، کٹھوعہ میں سرکاری افسران اور عوام ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے اور بھیم بر کے لئے ہم نے کوئی پروگرام نہیں بھیجا ہے اور اس وقت وہاں کوئی انتظام نہیں ہوگا۔ مہاراجہ نے میری گزارش کو نظر انداز کر دیا اور کہا کہ وہ کسی پروگرام کے پابند نہیں ہیں۔ اس لئے ہم اکھنور اور بھیم بر کی طرف روانہ ہوئے اور میرپور نہ پہنچ سکے۔ ہم نے بھیم بر کے ڈاک بنگلہ میں دن کا کھانا کھایا اور ۱۰ بجے رات کو جموں پہنچے۔ اس کے بعد جیسا کہ طے تھا، ۲۱ اکتوبر کو بھیم بر کا ڈاک بنگلہ گھیر لیا گیا۔ ہم اس سازش کا شکار ہو جاتے، اگر ہم نے اصل پروگرام کے مطابق سفر کیا ہوتا۔ مہاراجہ کی پیش اندیشگی نے ہم کو پاکستان کے قبضہ میں جانے سے بچالیا۔"

۵۔ چین کے سابق وزیر اعظم مسٹر چواین لائی (۱۸۹۸ - ۱۹۷۶) نے اپنی موت سے صرف چند دن پہلے شمالی ویت نام کے ایک کمیونسٹ لیڈر سے اسپتال میں ملاقات کی تھی۔ دونوں کمیونزم کے بعض فکری پہلوؤں پر بحث کرتے رہے۔ جب ویت نامی لیڈر جانے لگا تو چواؤ نے ہنس کر کہا: "اب میں اس مسئلہ کو خود کارل مارکس سے سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ چند ہی دن میں میں اس کے پاس جانے والا ہوں" اور فی الواقع اس کے چند دن بعد ۶ جنوری کی شام کو ان کا انتقال ہو گیا۔

۶۔ چنگیز خاں کے پوتے قبلائی خاں (۱۲۱۶-۱۲۹۴) نے ۱۲۸۱ میں جاپان پر حملہ کیا۔ اس نے ایک عظیم جنگی بیڑہ تیار کر کے ان جزائر کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس وقت جاپان ایشیا کے ایک کمزور ملک کی حیثیت رکھتا تھا۔ قبلائی خاں جیسے فاتح کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت ان میں بالکل نہیں تھی، تاہم ان کو اپنے خداوند (آفتاب) پر بھروسہ تھا جس کی وہ اپنے کو اولاد کہتے ہیں۔ جیسے ہی خطرہ کا احساس ہوا، ان کا مذہبی پیشوا اٹھا اور لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ سب لوگ دعائیں مانگیں۔ انھوں نے رات دن اپنے دشمن کے مقابلہ میں اپنے خدا کو پکارنا شروع کیا۔ ابھی قبلائی خاں کی فوج جاپان کے ساحل پر اتری بھی نہ تھی کہ زبردست سمندری طوفان آیا اور تمام بحری بیڑہ سمندر کی ہولناک لہروں میں غرق ہو گیا۔

Single Copy Rs. 2.00

Regd. No. D (D) 532
Regd. R.N. No. 28822/76
FEBRUARY 1978

AL-RISALA MONTHLY
JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI-110006 (INDIA)

محمد احمد پرنٹر پبلشر مسئول نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر "دفتر الرسالہ" 1502 قاسم جان اسٹریٹ